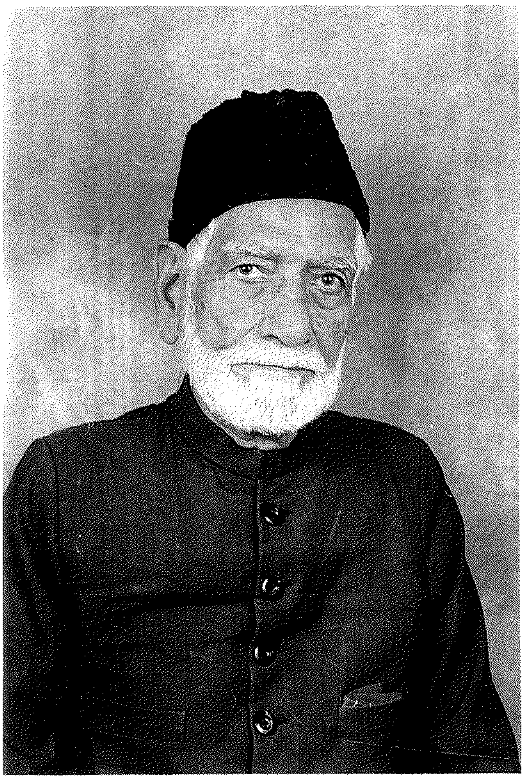
تحریک انسانیت کا ترجمان

ماہنامہ الانسان کراچی

سلیم شاہجہانپوری نمبر

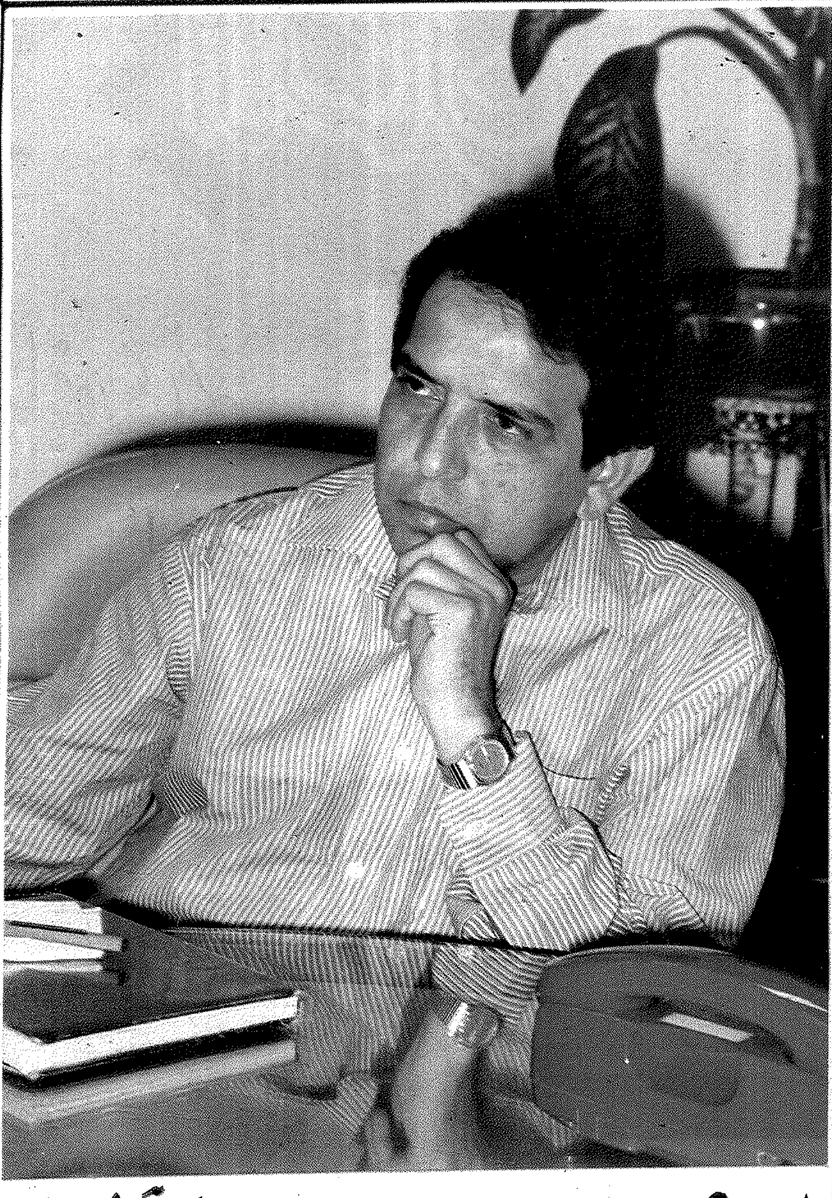


سلیم شاہجہانپوری (بعمر ۸۵ سال)

سلیم شاہجہانپوری کی ساٹھ ۶۰ سالہ علمی، ادبی اور شعری خدمات کو پاکستان کے دانش وروں، ادیبوں اور مشاہیر شعراء کرام کا خراج تحسین

چیف ایڈیٹر
کوثر القادری (علیگ)
(بانی تحریک انسانیت پاکستان)

ایڈیٹر
شاہد علی رعنا



ایس خالد جمیل جنرل منیجر کے، ای، ایس سی - کراچی فرزند اکبر جناب سلیم شاہجہانپوری

طالبِ دعا
انور ندیم علوی

ANWAR ALVI
B.Sc, LL.B. Advocate
...urt Road Nawabshah

تاریخ اجراء ۱۹۷۸ء

تحریک انسانیت کا ترجمان

ماہنامہ

الانسان

کراچی

جلد: ۲۱
شمارہ ۴،۵

اپریل، مئی ۹۹ء

چیف ایڈیٹر: **کوثر القادری** (علیگ) بانی تحریک انسانیت پاکستان ایڈیٹر: **شاھد علی رعنا**

زر رفاقت:
فی شمارہ: چالیس روپے
سالانہ: پاکستان ۲۰۰، روپے
بھارت/بنگلہ دیش ۲۰۰، روپے
دیگر ممالک ۴۰۰، روپے

رابطہ: ۱۲۰/۳۷۲/۱۲ اے گلبرگ فیڈرل بی ایریا،
کراچی۔ ۷۵۹۵۰ فون: ۶۳۶۸۱۸۴
ناشر: کوثر القادری (علیگ)
طابع: احباب پرنٹرز ۲/۶۴۴ لیاقت آباد، کراچی
مقام اشاعت: دفتر تحریک انسانیت "الانسان"، کراچی

فہرست مضامین مندرجہ ماہنامہ "الانسان" (سلیم شاہجہانپوری نمبر)

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
۱	ماہنامہ "الانسان" کراچی	چیف ایڈیٹر	
۲	فہرست مضامین	شاہد علی رعنا	۲
۳	اداریہ	کوثر النقاد (علیگ)	۴
۴	غبارِ کارواں	ابو العارف	۶
۵	اسکیچ غبارِ کارواں	عمران نقوی آرٹسٹ	۷
۶	فوٹو سلیم شاہجہانپوری	خالد محمود اعوان	۸
۷	نعت بحضور سرور کائناتؐ	سلیم شاہجہانپوری	۹
۸	فوٹو حضرت امیر مینائی رح	خالد محمود اعوان	۱۰
۹	مختصر سوانح حضرت امیر مینائی رح	ڈاکٹر رام بابو سکسینہ مصنف تاریخ ادب اُردو	۱۱
۱۰	نعت النبیؐ	حضرت امیر مینائی رح	۱۷
۱۱	فوٹو حضرت مختار شاہجہانپوری	خالد محمود اعوان	۱۸
۱۲	مختصر سوانح حضرت مختار شاہجہانپوری	سلیم شاہجہانپوری	۱۹
۱۳	نعت بحضور سرکار دو عالمؐ	حضرت مختار شاہجہانپوری	۲۲
۱۴	فوٹو اعتبار الملک حضرت دل شاہجہانپوری	خالد محمود اعوان	۲۳
۱۵	مختصر سوانح حضرت دل شاہجہانپوری	سلیم شاہجہانپوری	۲۴
۱۶	نعت سید المرسلین خاتم النبیین	حضرت دل شاہجہانپوری	۲۶
۱۷	عکس مکتوب گرامی	جناب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب سابق وائس چانسلر کراچی	۲۷
۱۸	" "	یونیورسٹی و سابق صدر نشین مقتدرہ اردو زبان اسلام آباد	۲۸
۱۹	عکس مکتوب گرامی	جناب پروفیسر پریشان خٹک سابق چیئرمین ادبیات پاکستان۔ اسلام آباد	۲۹
۲۰	بکھرے ہوئے موتی	ڈاکٹر فرمان فتح پوری (تمغۂ ستارہ امتیاز)	۳۰

۲۱	اظہارِ حقیقت	پروفیسر رئیس عبدالقادر ڈاہری سابق پرنسپل سچل کالج نواب شاہ	۳۱
۲۲			
۲۳	مینائی اسکول کی آخری یادگار	پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی	۳۵
۲۳	ہدیہ تبریک	پروفیسر آفاق صدیقی	۴۰
۲۴	ایک قادر الکلام اور پختہ مشق اُستاد	سید طاہر حسین نقوی سابق پروفیسر (اردو) گورنمنٹ ڈگری کالج۔نواب شاہ	۴۲
۲۵	مکتوب گرامی معہ تبصرہ	جناب رئیس امروہوی (مرحوم)	۴۴
۲۶	تعارف	ڈاکٹر قیس مینائی (مرحوم)	۴۵
۲۷	قدیم و جدید شاعری کا سنگم	سید رشید احمد ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (نوابشاہ)	۴۷
۲۸	استاد الاساتذہ حضرت سلیم شاہجہانپوری	پروفیسر فاضل زیدی ایم۔اے پی۔ایچ ڈی	۵۰
۲۹	اظہار خیال	جناب نسیم سیفی ایم۔اے	۵۴
۳۰	شاعر شیریں سخن	برگ یوسفی (مرحوم)	۵۷
۳۱	ایک اُستاد کامل	اظہار قریشی۔ایم۔اے	۶۰
۳۲	اے آفتاب علم و ادب تیری عظمت کو سلام	ناصر ساگری ایم۔اے (مرحوم)	۶۲
۳۳	تعارف	رئیس نقوی ایم۔اے	۶۳
۳۴	مکتوب گرامی محشر بدایونی	محشر بدایونی (مرحوم)	۶۴
۳۵	مینائی اسکول کا ایک عظیم شاعر	سید نثار حسین زیدی۔ایم۔اے	۶۵
۳۶	ایک شام سلیم شاہجہانپوری کے نام	محترمہ عصمت ڈاہری نواب شاہ	۶۶
۳۷	سلیم شاہجہانپوری۔ایک عظیم شاعر	سید فیض الحسن شوق ہمدانی	۶۸
۳۸	ایک قد آور ادبی شخصیت	جناب پیر عزیز احمد وارثی روزنامہ پاسبان۔حیدرآباد	۶۹
۳۹	وادی سندھ کا ایک مہکتا ہوا پھول	جناب انور ندیم علوی ایم ایس سی۔بی اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ	۷۱
۴۰	رنگوں کا عکس	فہیم شناس کاظمی	۷۳
۴۱	منظوم خراج عقیدت	۱۔راغب مرادآبادی ۲۔انور ندیم علوی ۳۔ناصر ساگری (مرحوم)	۷۶، ۷۷
		۴۔شوق ہمدانی ۵۔انجم نقوی ۶۔محمد علی تبسم ۷۔ہمدم	۷۸، ۷۹
۴۲	منتخب غزلیات و منظومات	۱۔پردہ ہر ایک رمز سے سرراز سے اٹھا	۸۰
	جناب سلیم شاہجہانپوری	۲۔عجب رنگ ہیں دنیائے بے ثبات کے رنگ	۸۱
		۳۔انسان ۴۔انحطاط پذیر معاشرہ	۸۲، ۸۴

اداریہ

مشرق میں کچھ ایسی روایت پڑ گئی ہے کہ ہم اپنے مشاہیر کو خواہ وہ زندگی کے کسی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اُن کی زندگی میں وہ مقام دینے سے قاصر رہتے ہیں جس کے وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں تو پھر اُن کی برسیاں مناتے اور یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ جس کی مثال اُردو زبان کے عظیم شاعر غالبؔ، اقبالؔ اور فیضؔ ہیں جنہیں ان کی زندگی میں مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ قید و بند کی مصیبتیں جھیلنا پڑیں اور زندگی بھر اُن آسائشوں کو ترستے رہے جو انسانی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ لیکن آج جبکہ وہ اس دُنیا میں نہیں ہر سال ان کی عالمگیر پیمانہ پہ برسیاں منائی جاتیں اور یادگاریں قائم کی جارہی ہیں۔

لیکن آج ہم اس روایت کو توڑ رہے ہیں اور ایک ایسے خاموش طبع شاعر و ادیب کی ہمہ جہتی علمی، ادبی اور شعری خدمات سے اُن کی زندگی میں ہی پردہ اُٹھا رہے ہیں جو وہ ساٹھ سال سے بڑے تسلسل اور لگن کے ساتھ بلا کسی معاوضے یا تحسین کی خواہش کے بجا رہے ہیں۔

ادارہ "الانسان" نے جو ایک عرصہ سے خدمت انسانیت اور آدمیت کی تربیت و تہذیب کے سلسلے میں بلا امتیاز مذہب و ملت گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے، یہ فیصلہ کیا کہ جناب سلیم شاہجہانپوری کی ساٹھ سالہ علمی، ادبی اور شعری خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے "الانسان" کی اپریل اور مئی کی دو اشاعتیں وقف کر دی جائیں تاکہ جناب سلیم شاہجہانپوری کی زندگی ہی میں اُن کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا جاسکے اور ان کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا جاسکے۔

جناب سلیم شاہجہانپوری کو اپنی درویشانہ طینت اور نام و نمود کی خواہش سے نفور ہونے کی وجہ سے اپنے ہمعصروں میں شہرت کا وہ مقام حاصل نہ ہوسکا جس کے وہ اپنی علمی و ادبی خدمات کی وجہ سے مستحق تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علمی و ادبی برادری میں غیر معروف ہیں یا مشاہیر شعراء و ادباء اُن کے علمی و ادبی کاوشوں سے بے خبر ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس پاکستان کے اکثر مشاہیر ان کی عظمت سے نہ صرف واقف بلکہ برملا اس کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے

کر اپنے مجلّہ کی کوتاہ دامنی کے باوجود جس قدر آراء بھی شامل کر سکیں وہ اپنے رسالے میں شائع کر دیں تاکہ ہمارے "قارئین کرام بھی جناب سلیم شاہجہانپوری کے کارناموں سے واقف ہو سکیں۔ ہمارے علم کے مطابق سلیم صاحب درجنوں کتابوں کے مصنف یا مولف ہیں وہ اپنے چار شعری مجموعے شائع کر کے اپنی شعری صلاحیتوں کی داد مشاہیر شعراء پاکستان اور اخبارات کے ناقدین سے وصول کر چکے ہیں۔ ان کی دو کتابیں جو تنقید سے تعلق رکھتی ہیں کتابت کے مراحل سے گذر چکی ہیں اور جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجائیں گی۔ انہوں نے اپنے استاد حضرت مختار شاہجہانپوری کی سیرت اور کلام بھی "حیاتِ حضرت مختار" کے نام سے طبع کروایا ہے۔ کراچی کے حالات پر ایک کتاب " کراچی ۔ ماضی وحال کے آئینے میں " اور دوسری ضخیم کتاب " مشاہیر کراچی " تیار ہیں اور اپنی طباعت کا انتظار کر رہی ہیں ۔ علاوہ ازیں ایک کتاب " زوال پذیر معاشرہ " اور دوسری کتاب " قائداعظم کے نظریات، تصورات اور ہدایات سے انحراف ، زیر ترتیب ہیں۔ سلیم صاحب اپنی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات " کاروانِ حیات " کے عنوان سے تحریر فرما رہے ہیں جو کافی ضخیم کتاب ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی وہ دیگر موضوعات پر مضامین تیار کر کے رسائل وجرائد کو ارسال کرتے رہتے ہیں۔

ان کی ڈکشنری میں " آرام " کا کوئی لفظ ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتا۔ وہ پانچ بجے بستر کو چھوڑ دینے کے عادی ہیں اور پھر جو قلم پکڑتے ہیں تو سارا دن اور رات کا اکثر حصّہ اہم موضوعات پر اُن کا قلم رواں دواں رہتا ہے ۔

" الانسان " سے ان کا رشتہ بہت پرانا اور مستحکم ہے ۔ وہ اپنی مرنجان مرنج طبیعت ، انسان دوستی اور ادب نوازی کے حوالہ سے " الانسان " کے شیدائی ہیں ۔ نواب شاہ سے لے کر کراچی تک آپ " الانسان " سے قلمی اور مالی معاونت کرتے چلے آرہے ہیں ۔ اُن کے گرانقدر مضامین نثر ونظم اکثر مجلّہ " الانسان کی زینت بنتے چلے آرہے ہیں۔ آپ کو اردو اور فارسی زبانوں پر کافی عبور حاصل ہے اور آپ قلم برداشتہ مضامین نظم ونثر لکھنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ رئیس عبدالقادر ڈاہری سابق پرنسپل سچل کالج نے سچ ہی تو کہا ہے ۔ ؎

مت سہل ہمیں سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سلیم شاہجہانپوری کی ساٹھ سالہ شعری و ادبی کاوشوں کو

خراجِ تحسین

غبارِ کارواں

انجمن اربابِ قلم نواب شاہ کی دوسری پیش کش

مرتبہ: انجم نقوی فہیم شناس کاظمی

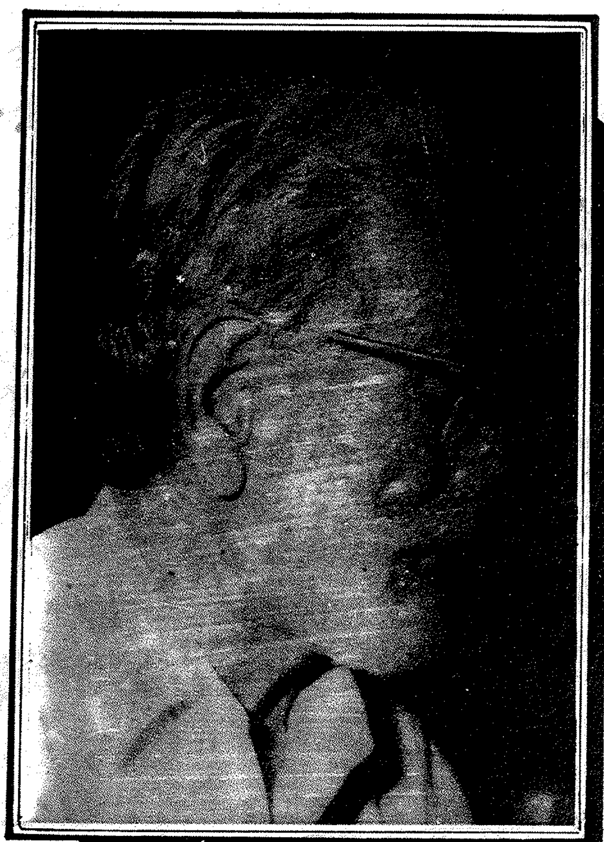


غبارِ کارواں

تھے جس کے کارواں سالار امیرؔ مینائی ❁ وہ قافلہ تو گیا اب غبار باقی ہے

ہوئے ہیں داخلِ خلدِ بریں دلؔ و مختارؔ ❁ اب اُن کے بعد یہی خاکسار باقی ہے

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد



ہے بحرِ کمالات سلیم سخن آرا
محفل میں تو وہ ایک غزلخواں کی طرح ہے

انوار مصباح رسالتؐ

سلیم شاہجہانپوری

تیرگی جب بڑھی کم ہوئی روشنی
لائے دنیا میں میرے نبیؐ روشنی

جب پکار اُٹھے دل روشنی روشنی
آپؐ کے فیض سے مل گئی روشنی

تھی جو روزِ ازل آپ کی روشنی
سارے نبیوں میں بٹتی رہی روشنی

یوں تو لاتے رہے سب نبی روشنی
دور میں اپنے اپنے نئی روشنی

سب کے آخر میں لیکن حبیبِ خدا
لائے قرآن کی دائمی روشنی

نور ہی نور پھیلا ہے چاروں طرف
آپ تشریف لائے ہوئی روشنی

عرش سے فرش تک اک اجالا ہوا
شرق اور غرب کو مل گئی روشنی

آپ کے ساتھ اجالوں کا لشکر چلا
تیرگی چھٹ گئی ہو گئی روشنی

حق نے پیدا کئے آپ کے واسطے
علم، عرفانِ حق، آگہی روشنی

آپؐ تفسیر ہیں لفظ والشمس کی
ماند جس سے ہوئی چاند کی روشنی

روح پرور ہے کتنا پیام آپؐ کا
کتنی پُر نور ہے آپؐ کی روشنی

حق کے محبوب ہیں خاتم الانبیاءؐ
اب ہے دور آپؐ کا آپؐ کی روشنی

لفظ لفظ آپ کا ہے کلام خدا
آپ کی ہر ادا بن گئی روشنی

ناسخ ہر شریعت کتاب آپؐ کی
لائے ختم الرسل آخری روشنی

تھا یہ انگشت حضرت کا اک معجزہ
چاند ٹکڑے ہوا کٹ گئی روشنی

کذب و بہتان کی بدلیاں چھٹ گئیں
نور غالب ہوا آ گئی روشنی

ہر مسلماں کا دل نور سے بھر گیا
پھیلی دنیا میں قرآن کی روشنی

رہبر کل جہاں ہیں غلام آپ کے
ان ستاروں میں ہے آپ کی روشنی

نعت آقا لکھی جب سلیم آپ نے
بن گئی آپ کی شاعری روشنی

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے



امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

(حضرت امیر مینائیؒ)

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ
مصنف تاریخ ادب اردو

مختصر سوانح حضرت امیر مینائی رح

امیر مینائی ۱۲۴۴ھ لغایت ۱۳۱۸ھ

منشی امیر احمد مینائی امیرؔ تخلص خلف مولوی کرم محمد ۱۸۲۸ء میں بہ عہد نصیر الدین حیدر لکھنؤ میں پیدا ہوئے حضرت مخدوم شاہ مینا کے جن کا مزار لکھنؤ میں مرجع خاص و عام ہے خاندان سے ہیں اسی تعلق سے مینائی کہلاتے ہیں درسی کتابیں مفتی سعد اللہ مرحوم اور ان کے ہم عصر علمائے فرنگی محل سے پڑھی تھیں اور عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ منشی صاحب اپنی ذات سے بڑے منکسر المزاج صاحب زہد و تقویٰ اور صوفی مشرب بزرگ تھے۔ خاندان صابریہ چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ صاحب سے بیعت رکھتے تھے۔ طب جفر نجوم وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ نہایت ذکی اور طباع محنتی اور جفاکش تھے۔ اسی وجہ سے اپنے معاصروں میں جس طرح اپنی وضع داری اور سادگی کی وجہ سے مشہور تھے۔ اسی طرح اپنے علم و فضل اور کمال و قابلیت میں بھی ان سے ممتاز تھے۔

شعر و سخن کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس فن میں آپ کو منشی مظفر علی اسیرؔ سے تلمذ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی اور طبیعت کی روانی سے اپنے استاد سے بھی بڑھ گئے۔ ان کے وقت میں تمام فضائے لکھنؤ شاعری سے بھری ہوئی تھی شاگردان آتشؔ و ناسخؔ کے مناقشے روزمرہ کے مشاعرے جس میں شہر کے اساتذہ مثل صباؔ و خلیلؔ و رندؔ و سحرؔ وغیرہ کے شرکت کرتے تھے۔ مراثی کے زور و شور اور انیسؔ و دبیرؔ کے معرکے غرضیکہ ان تمام چیزوں نے ہونہار شاعر کی منچلی طبیعت پر بہت بڑا اثر ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں کی محنت و جانکاہی میں ایسی مشق سخن بہم پہنچائی اور اتنی شہرت حاصل کی کہ ۱۸۵۲ء میں ان کے اشعار کا تذکرہ سلطان عالم واجد علی شاہ کے دربار میں ہوا اور ان کو بلا کر ان کا کلام سنایا گیا۔ اور حسب الحکم سلطانی دو کتابیں "ارشاد السلطان" اور "ہدایت السلطان" انہوں نے تصنیف کیں۔ جن کے صلہ میں خلعت فاخرہ اور انعام عطا ہوا اسی وقت سے ان کی شہرت کا زمانہ شروع ہوا۔ جو برابر ترقی کرتا گیا۔ مگر الحاق اودھ اور غدر

کی وجہ سے شعرائے دربار کے تمام حوصلے پست ہو گئے اور وہ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے بعد غدر امیر نے دوستوں کے کہنے سے سرکاری ملازمت کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر جب عہدۂ صدر امینی کے واسطے صاحب جج کو درخواست دینے کے متعلق ان سے کہا گیا تو ان کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اور ملازمت کا خیال ہی ترک کر دیا۔ تھوڑے سے روز کی بیکاری اور خانہ نشینی کے بعد فردوس مکان نواب یوسف علی خاں والی ریاست رام پور نے ان کو طلب کیا جو شعرائے لکھنؤ و دہلی کے اس وقت بڑے سرپرست تھے۔ نواب موصوف کے انتقال کے بعد خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر کا عہد حکومت آیا جس میں اردو شاعری کو اور بھی فروغ ہوا۔ اس سخن فہم اور رتبہ شناس رئیس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تمام ہندوستان کے نامی و گرامی شعراء اور باکمالوں کو بلا کر اپنے دامن دولت کے سائے میں لے لیا تھا۔ غرضکہ یہ زمانہ یعنی امیر کے قیام رامپور کا زمانہ ان کی شاعری اور اقبال دونوں کے عروج کا زمانہ تھا اسی میں ان کو نواب کی استادی کا فخر حاصل ہوا۔ رام پور میں ان کو بڑی عزت حاصل تھی اور وہ ایک بڑی ادبی اور سوشل ہستی سمجھے جاتے تھے۔ تنخواہ بھی معقول تھی۔ جس کی وجہ سے بڑے مزے سے آزادانہ زندگی بسر کرتے اور شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے غرضکہ ۴۳ برس رام پور میں نہایت عزت و آبرو سے بسر کرکے جس میں اکثر مرتبہ لکھنؤ بھی آنا ہوا تھا۔ بالآخر حیدر آباد کو روانہ ہوئے وہاں جانے کی تقریب اس طرح ہوئی تھی کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں جب نظام حیدر آباد کلکتہ سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں بنارس میں بھی ٹھہرے۔ امیر نے ایک قصیدہ ان کی تعریف میں کہہ کر بمقام بنارس ان کے حضور میں پیش کیا تھا۔ حضور نظام کو وہ بہت پسند آیا اور امیر سے حیدر آباد آنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۰ء میں وہ عازم حیدر آباد ہوئے۔ یہاں تھوڑے دن قیام کیا تھا کہ بیمار ہوئے۔ اور تہتر برس دس مہینے کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت کی۔ علالت کے زمانہ میں داغ اور پنڈت رتن ناتھ سرشار ان کی عیادت کو جاتے تھے اور مہاراجہ سرکشن پرشاد بھی اکثر قدم رنجہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ منشی صاحب کی اس رباعی سے ظاہر ہوتا ہے۔

رُباعی

ہے آپ کا اخلاق جو ہمدرد مرا ۔۔۔ رشک دم عیسیٰ ہے دم سرد مرا

فرماتے ہیں ہر روز عیادت میری ۔۔۔ درماں میرے حق میں ہو گیا درد مرا

داغ نے وفات کی یہ تاریخ کہی۔

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ   جو مراہم فن تھا مراہم صفیر
مصطفیٰ آباد سے آیا دکن[1]   یہ سفر تھا اس مسافر کا اخیر
کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں   کیا لکھوں تفصیل امراضِ کثیر
مبتلائے حدتِ صفرا و تپ   مورد آزار و اسہال و زحیر
گو بظاہر تھا امیر احمد لقب   در حقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ   شاعری میں خاص تلمیذ امیر

ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی
قصر عالی پائے جنت میں، امیر!

۱۳۱۸ھ

[1] رامپور

تصانیف امیر بہت پُرگو شاعر تھے ان کی بعض نثر کی کتابیں اور ایک اردو دیوان موسوم بہ "غیرت بہارستان" سنا جاتا ہے کہ زمانہ غدر میں تلف ہوگئے۔ پھر دوسری آفت یہ آئی کہ ۱۸۹۵ء میں ان کے مکان میں آگ لگ گئی جس میں ان کی اکثر تصانیف اور قیمتی کتابیں جل کر خاک ہوگئیں۔ موجودہ تصانیف میں جن کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے ان کے دو دیوان، عاشقانہ یعنی "مرآۃ الغیب" اور "صنم خانہ عشق" اور ایک نعتیہ اشعار میں موسوم بہ "محامد خاتم النبیین" اور نیز "امیر اللغات" نہایت قابل قدر اور مشہور و معروف تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف ترتیب وار حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ارشاد السلطان (۲) ہدایت السلطان (۳) غیرت بہارستان۔ اس میں وہ غزلیں ہیں جو قبل غدر مشاعروں میں پڑھی تھیں، نیز چند قصائد درمدح واجد علی شاہ یہ کلام غدر میں تلف ہوگیا۔ (۴) نور تجلی (۵) ابر کرم۔ یہ دونوں مثنویاں بھی غدر سے پہلے لکھنؤ میں لکھی تھیں (۶) ذکر شاہ انبیا بصورت مسدس مولود شریف ہے (۷) صبح ازل آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بیان میں (۸) شام ابد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں (۹) لیلتہ القدر معراج کے حال میں (۱۰) مجموعہ واسوخت۔ چھ واسوختوں کا مجموعہ جن کے تاریخی نام حسب ذیل ہیں اور سنہ تصنیف ۱۲۸۴ھ ہے یعنی "بانگ اضطرار" "واسوخت اردو" "شکایت رنجش" "صفیر آتش بار" "حسد اغیار" "غبار طبع"۔ اس مسدس کو ایک عمدہ دیباچہ کے ساتھ "مینائے سخن" کے نام سے دائرہ ادبیہ لکھنؤ نے چھاپا ہے (۱۱) محامد خاتم النبیین مؤلفہ ۱۲۸۹ھ نعتیہ دیوان ہے (۱۲) انتخاب یادگار۔ رام پور کے شعرائے اردو کا تذکرہ ہے جو

نواب کلب علی خاں بہادر کے حکم سے ۱۲۹۰ھ میں لکھا تھا جیسا کہ تاریخی نام سے ظاہر ہوتا ہے (۱۳) خیابان آفرینش نثر میں مولود شریف ہے (۱۴) مراٰۃ الغیب، اردو غزلوں اور قصائد کا پہلا دیوان ہے (۱۵) صنم خانہ عشق مطبوعہ ۱۳۱۳ھ (۱۶) جوہر انتخاب (۱۷) گوہر انتخاب مؤلفہ ۱۳۰۱ھ یہ دونوں میر تقی میرؔ اور خواجہ میر دردؔ کے رنگ میں کچھ غزلیں لکھی گئی ہیں۔

(۱۸) تیسرا دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں چند قصائد اور رباعیات شامل ہیں (۱۹) سُرمہ بصیرت۔ جو ایسے عربی و فارسی الفاظ کی ایک فرہنگ ہے جو اردو میں غلط استعمال ہوتے ہیں اس میں ان کا صحیح طریقہ استعمال معہ اسناد کے بتایا ہے (۲۰) بہار ہند ایک مختصر اردو محاورات و الفاظ کی جس کو امیر اللغات کا نقش اول کہنا چاہیے (۲۱) امیر اللغات جس کو منشی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھنا چاہیے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ ناتمام رہ گئی، صرف دو جلدیں الف ممدودہ اور الف مقصورہ کی اب تک تیار ہوئی ہے۔ اس کتاب میں قابل مصنف کے تبحر اور جامعیت اور نیز ان کی بے حد کد و کاوش اور محنت و جانکاہی کا پتہ چلتا ہے اس کی دو جلدیں چھپ گئی ہیں۔ تیسری بھی تیار تھی مگر شائع نہ ہو سکی ابتداً آٹھ جلدوں میں اس کے نکالنے کا ارادہ تھا۔ نواب کلب علی خاں بہادر کے عہد میں شروع ہوئی تھی۔ اور اس کے بڑے سرپرست ہز آنر سر الفرڈ لائل لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ تھے۔ جنرل عظیم الدین خاں نائب پریسیڈنٹ کونسل آف ریجنسی رام پور نے بھی اس کی سرپرستی کی تھی۔ منشی صاحب نے اپنے خطوط میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے (۲۲) خطوط اور متفرق چیزیں نظم و نثر میں۔ منشی صاحب کے شاگرد اور دوست بہت کثرت سے تھے اور منشی صاحب کو خط لکھنے کا بہت شوق لہٰذا ان کا مجموعہ خطوط بہت دلچسپ ہے۔ اس کو ان کے شاگرد رشید مولوی احسن اللہ خاں ثاقبؔ نے ایک نہایت مفید اور دلچسپ دیباچہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ان خطوط سے منشی صاحب کے عادات و اطوار اور کیرکٹر پر کافی روشنی پڑتی ہے اور اگر کوئی لکھنا چاہے تو ان کی سوانح عمری کا بہت عمدہ مواد ان سے فراہم ہو سکتا ہے نیز ان میں فن نظم اور زبان کے متعلق اکثر مشکل کو حل کیا ہے۔ "رسالہ اسرار نظم" اور "زاد الامیر" اور "مناجات" وغیرہ کو ان کے متفرق تصانیف میں سمجھنا چاہیے۔

شاگرد

منشی صاحب کے سینکڑوں شاگرد تھے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ ناظمؔ، نواب صفدرؔ، جاہؔ، جلیلؔ، ریاضؔ، برہمؔ، زاہدؔ، کوثرؔ خیرآبادی، وسیمؔ، حیرانؔ، محسنؔ کاکوروی، عابدؔ، رضاؔ، دلؔ، قرارؔ، ثاقبؔ، اصغرؔ، مضطرؔ، سرشارؔ، حفیظؔ جونپوری، آہؔ، اخترؔ، قمرؔ ان میں سے ریاضؔ، جلیلؔ، مضطرؔ اور حفیظؔ بہت مشہور ہیں۔

امیر کی شاعری

امیر نہ صرف ایک طباع شاعر بلکہ ایک متبحر عالم بھی تھے۔ اور ادبی دنیا میں اُن کی شہرت انہیں دونوں باتوں پر مبنی ہے۔ ان کا پہلا مطبوعہ دیوان مراۃ الغیب کسی قدر ناہموار ہے کیونکہ ابتدائی کلام کے ساتھ جو بھدّا اور بے مزہ ہے بعد کی غزلیں جن سے مشاقی اور پختگی معلوم ہوتی ہے مل جل ہیں ان کے ابتدائی کلام میں وہ سب عیوب موجود ہیں جو ناسخ کے رنگ کے لیے مخصوص ہیں یعنی جا و بے جا رعایت لفظی ابتذال رکیک اور بدنما تشبیہیں۔ عورتوں کا لباس اور سامان زینت مثلاً انگیا کرتی اور کنگھی چوٹی وغیرہ غرضکہ اس میں کوئی چیز نئی اور اچھوتی نہیں ہے بلکہ وہی پرانے فرسودہ مضامین ہیں جو الٹ پلٹ کر رنگین عبارت میں بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ ان کا دوسرا دیوان "صنم خانۂ عشق" ان کے بڑے حریف اور معاصر داغ کے طرز پر ہے۔ اور اس میں اعلیٰ تخیل سلاست و روانی اور دل کش عاشقانہ ترکیبیں بکثرت موجود ہیں ان کے نعتیہ اشعار گو کہ قدیمی مقررہ طرز میں ہیں مگر اکثر اعلیٰ تخیل فصاحت و بلاغت اور جوش اعتقاد کے بہترین نمونے ہیں غرضکہ منشی صاحب کو مختلف اصناف سخن، غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس، مسدس وغیرہ پر عبور تام حاصل ہے۔ ان کا کلام اعلیٰ خیالات فصاحت و بلاغت، روانی و سلاست، توازن الفاظ اور ایجاز کے لیے مشہور ہے۔ حشو و زوائد اور صنائع بدائع لفظی کی کثرت سے ان کا کلام پاک ہے، ان کے اشعار میں شگفتگی، نزاکت خیال بلند پروازی، شیریں بیانی، زور اور قادر الکلامی بدرجۂ احسن موجود ہے تصوف کی چاشنی بھی کہیں کہیں جلوہ گر ہے جو مشرقی شاعری کی جان اور ادب آموزی کی خاص پہچان ہے۔ اس قسم کے خیالات کسی ایک شاعر کی ملک خاص نہیں ہوتے، بلکہ مختلف لوگوں کے کلام میں بہ تبدیل الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اخلاق و عادات

منشی صاحب ایک پیکر متانت اور مجسم تہذیب تھے شرم و حیا ان کے اخلاق کا خاص جوہر تھی طبیعت نہایت محبت والی پائی تھی، راستباز، ہمدردی سے بھرے ہوئے نہایت متقی پرہیزگار اور سادہ مزاج واقع ہوئے تھے، کبھی کسی لفظ فحش سے زبان کو آلودہ نہیں کیا اور نہ کسی کی ہجو لکھی سچے پاکباز صوفی مشرب احکام قرآنی کے پورے عامل تھے، اسی وجہ سے ان کے تقدس اور بے ریائی کی شہرت لوگوں میں اسی قدر تھی جس طرح ان کے علم و فضل اور کمالات شاعری کی۔ مزاج میں انکسار اور تواضع اسی قدر تھی کہ اپنے معاصر حریفوں علی الخصوص داغ سے کبھی مسابقت کی کوشش نہیں کی بلکہ تمام

اپنے ہمعصروں سے نہایت خلوص اور محبت کا برتاؤ رکھتے تھے۔ ادبی مسائل کا جواب ان سے پوچھے جاتے تھے۔ نہایت آزادی سے جواب دیتے تھے، اور کسی شخص یا جماعت کی پاسداری کبھی نہیں کرتے تھے۔ اپنے بعد چار بیٹے چھوڑے، قمر، آرزو، ضمیر، اختر۔ جو خدمات زبان کی منشی صاحب نے انجام دیں اس کا ذکر ہم امیر اللغات کے سلسلہ میں اوپر کر آئے ہیں۔ منشی صاحب ایک بہت قابل اور طباع شاعر تھے، اور ان کے اکثر اشعار زبان زد خلائق ہیں۔ ان کا مرتبہ شعرائے اردو میں بہت بلند ہے۔

چند اشعار بطور نمونہ یہاں لکھے جاتے ہیں ؎

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

(اس شعر کو مسٹر جسٹس محمود نے اپنے ایک فیصلے میں بطور سند کے لکھا تھا)

اے روح کیا بدن میں پڑی ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اس پیرہن کو چھوڑ

سیدھی نگاہ میں ہیں تری تیر کے خواص   ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص
ترکش میں تیر میان میں شمشیر بے قرار   دیکھو تو بے قراری نخچیر کے خواص
کہتا ہے شعر سن کے کوئی واہ کوئی آہ   کچھ میرزا کے سمجھے ہیں کچھ میر کے خواص
کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ   وگرنہ ربط کی اس سے ہزار راہیں تھیں
وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب   مرے دونوں پہلوؤں میں دل بیقرار ہوتا
جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی   وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا
ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا   سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا
کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا امیر   جانے دو اک بے وفا جاتا رہا جاتا رہا
موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا   بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا
صورت تری دکھا کے کہوں گا یہ روز حشر   آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا
ملا جب وہ کھلا تب یہ معما   کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم

خلق کے سرور، شافعِ محشر صلّی اللہ علیہ وسلّم
مُرسلِ داور، خاص پیمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم

نورِ مجسّم، نیّرِ اعظم، سرورِ عالم، مونسِ آدم
نوحؑ کے ہمدم، خضرؑ کے رہبر صلّی اللہ علیہ وسلّم

بحرِ سخاوت، کانِ مروّت، آیۂ رحمت، شافعِ اُمّت
مالکِ جنّت، قاسمِ کوثر صلّی اللہ علیہ وسلّم

فخرِ جہاں ہیں، عرشِ مکاں ہیں، شاہِ شہاں ہیں، سیف زباں ہیں
سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلّی اللہ علیہ وسلّم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ نعت امیر ہے اپنا پیشہ
وردِ ہمیشہ رہتا ہے اکثر صلّی اللہ علیہ وسلّم

امیر مینائیؒ

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا ۔ میں رہا جاتا ہوں

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے مجھ میں طاقت
شوق کھینچے لیے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے
مدد اے شوق کہ پیچھے میں رہا جاتا ہوں

اس لیے کہ نہ ملے روکنے والوں کو پتہ
محو کرتا ہوا نقشِ کفِ پا جاتا ہوں

فیض مولا سے ابھی صبر کی طاقت ہے امیر
جو کڑی سامنے آتی ہے اٹھا جاتا ہوں

امیر مینائیؒ

خمیدہ ضعفِ پیری سے نہیں مختار میں ہر گز
یہ میرا سر رہِ الفت میں لیتا ہے قدم میرا



حضرت علامہ مختار شاہجہانپوری

نشہ کیونکر نہ ہو سر میں سخن آرائی کا
نام لیوا ہوں امیر احمدؐ مینائی کا

حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختاؔر شاہجہانپوری

سید مختار احمد نام اور مختاؔر آپ کا تخلص تھا۔ آپ شاہجہانپور، یوپی (انڈیا) کے ایک معزز سید خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔
شاہجہانپور ہندوستان کے صوبہ یوپی (جو اب بعد تقسیم ملک اُتر پردیش کہلاتا ہے) کا ایک مشہور اور مردم خیز شہر ہے۔ جو شاہان اودھ کی راجدھانی لکھنؤ سے تقریباً ایک سو میل جانب مغرب واقع ہے مغلیہ خاندان کے مشہور شہنشاہ شاہجہاں کے عہد میں انکے دو سپاہ سالار بہادر خاں اور دلیر خاں تھے جن کے کارناموں سے خوش ہو کر شہنشاہ نے یہ علاقہ جاگیر کے طور پر ان سپہ سالاروں کو عطا کیا تھا۔ یہ علاقہ جنگلات سے بھرا ہوا تھا اور جرائم پیشہ لوگوں کی پناہ گاہ تھا۔ اِن سپہ سالاروں نے اِن جنگلات کو کٹوا کر جرائم پیشہ افراد کو وہاں سے بید خل کیا اور ایک خوبصورت شہر کی بنیاد ڈالی جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے نہایت سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ بن گیا۔ اِن سپہ سالاروں نے اس بستی کو باون محلوں پر تقسیم کیا اور ہر محلہ کا نام پٹھانوں کے کسی قبیلے کے نام پر رکھا گیا مثلاً قدن خیل، ملا خیل، باڑوزئی، سنزی جلال نگر، بہادر گنج، دلیر گنج وغیرہ۔ درمیان میں ہندوؤں کے محلے تھے۔
اس تاریخی شہر کے ایک مشہور سید خاندان کے دو باپ بیٹوں نے علم و فضل میں وہ نام پیدا کیا جو ان کے ہمعصر عالموں، ادیبوں اور شاعروں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔ ان دونوں بزرگ باپ بیٹوں نے اپنی ساری عمر علم و عمل کی ولوی میں سیاحت کرتے ہوئے گزاری ؂ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ دونوں باپ بیٹے حافظ سید علی میاں اور حافظ مختار احمد میاں کے ناموں سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ دونوں باپ بیٹے ذہانت کے پُتلے اور علم و فضل کے مجسّمے تھے۔ قرب وجوار کے شہروں میں بھی اُن کے علم و فضل، ذہانت اور بے نظیر حافظہ کی دھوم تھی۔
مشیت ایزدی نے راقم الحروف (سلیم شاہجہانپوری) کو ابتداء عمر ہی سے حافظ سید مختار احمد میاں جیسی نابغہ روزگار ہستی کی براہ راست کفالت میں آجانے کا نادر موقعہ فراہم فرمادیا اور تقریباً ہمہ وقتی حاضری نے لاشعوری طور سے وہ تمام علمی و ادبی مراحل طے کرادیئے جن کے حصول کے لئے لوگ اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ حضرت حافظ سید مختار احمد میاں کے وسیع و عریض مکان کے دروازے تشنگان علم و متلاشیانِ ادب کے لئے دن ورات کے چوبیس گھنٹوں میں بلا مبالغہ ہمہ وقت کھلے رہتے تھے اور شب و روز کے اکثر اوقات میں اہلِ حاجت اُن کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان حاضری دینے والوں میں معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے تھے اور حافظ صاحب ہر آنے والے سے اُس کے علم و مرتبہ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کا طرزِ استدلال، اتنا محکم اور دلنشین ہوتا تھا کہ سننے والا آپ کی طلاقت لسانی کا لوہا مان کر ان کی ہم خیالی پر اپنے آپ کو مجبور پاتا تھا۔ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے نفسیاتی ماہر اور قیافہ شناس بھی تھے۔ آپ اپنے بیان کو مدلّل بنانے کے لئے مطلوبہ حوالہ جات کو اصل کتابوں سے نکالکر دکھاتے تھے جس کا سامعین پر بہت خوشگوار اور نتیجہ خیز اثر ہوتا تھا۔ حوالہ جات کے لئے آپ کو کہیں جانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ تمام ضروری کتب کا ذخیرہ آپ کے مکان کی

متعدد الماریوں میں محفوظ تھا جس کو عین وقت پر استعمال کرنے کا آپ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ عبارتوں کو اس انداز سے پڑھتے تھے کہ ہر نکتہ واضح اور ہر دلیل مستحکم تر ہو جاتی تھی۔

حضرت حافظ صاحب کو باغبانی کا شوق اپنے والد ماجد سید علی میاں سے ورثہ میں ملا تھا۔ کتب بینی ان کی غذا اور تصنیف و تالیف ان کی ہمہ وقتی مصروفیات تھیں۔ وہ ایک سادہ مگر وسیع و عریض اور کشادہ مکان میں (جو ان کی ذاتی ملکیت میں تھا) سکونت پذیر تھے۔ یہ مکان ایک بڑے کمرے، دو بغلی کمروں ایک لمبے دالان اور اس سے ملحق دو صحنچیوں پر مشتمل تھا۔ دالان اور صحنچیوں کے سامنے طویل چبوترہ اُس کے بعد چند سیڑھیاں نیچے اُترنے پر کشادہ صحن تھا جسے حضرت حافظ صاحب نے اپنے فطری میلان اور وقار عمل کے ذریعہ ایک خوبصورت چمن کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ دالان کے کشادہ دروں میں پہاڑی کروٹن کے سرسبز اور رنگارنگ پتوں والے خوبصورت پودے، مٹی کے بڑے بڑے گملوں اور چوبی ناندوں میں قرینے سے لگے ہوئے تھے پام کے بڑے بڑے درخت اپنی بہار الگ دکھاتے تھے۔

صحنچیوں کی ہضمی الماریوں میں اور اندر بڑے کمرے اور کمروں کی متعدد الماریوں میں جملہ کتابیں قرینے سے سجی رہتی تھیں۔ بڑے کمرے میں دو الماریاں ایسی بھی تھیں جو دیواروں سے جدا تھیں ایک میں سامنے کی طرف شیشے جڑے ہوئے تھے اور دوسری بغیر شیشوں کی جن میں حضرت حافظ صاحب نے اپنی چیدہ کتب اور اپنے ذوق کے رسالہ جات کی جلدیں محفوظ کر رکھی تھیں۔

حضرت حافظ صاحب ہر سال بارش کے ایام میں جبکہ نمی کے باعث کتابوں کو دیمک لگ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا ایک مرتبہ سب کتابوں کو الماریوں سے باہر نکال کر دھوپ دکھایا کرتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب کے اس علمی ذخیرے میں تقریباً تیس ہزار کتب جن میں چند قیمتی مخطوطات بھی شامل تھے، موجود تھیں۔ قرآن شریف کا ایک صدیوں پرانا نسخہ بھی اس کتب خانہ کی زینت تھا۔ جو اپنی مطلّا و مذہّب جدولوں اور سنہرے دائروں سے مزین، آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشتا تھا۔ اسی طرح سید علی بلگرامی کی "تمدنِ عرب"، سید احمد خاں کی جملہ تصانیف مولانا عبدالحلیم شرر اور ان کے ہم عصر دیگر ناول نگاروں کے تمام ناول، کتب تاریخ و سیر۔ مختلف فرقہ ہائے اسلام کے علماء کی تفاسیر قرآن اور دیگر تصنیفات و تالیفات اس علمی و ادبی لائبریری کی افادیت کو چار چاند لگا رہی تھیں۔

راقم الحروف نے اپنے استاد گرامی کے سوانح حیات اور آپ کا نایاب و کمیاب کلام اپنی کتاب "حیات حضرت مختار" میں تفصیلاً درج کر دیئے ہیں۔ قارئین اس کتاب سے حضرت حافظ صاحب کی زندگی کے چیدہ چیدہ اور محیر العقول واقعات سے بھی واقف ہو سکتے ہیں اور آپ کے نادر کلام سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

یہاں یہ بیان کر دینا بے موقع نہ ہو گا کہ حضرت حافظ صاحب اُن نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جو ماہ و سال کی سینکڑوں گردشوں کے بعد ظاہر ہوتی اور اپنے محیر العقول کارناموں سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ حضرت حافظ صاحب عربی و فارسی کے جیّد عالم ہونے کے علاوہ شعر و ادب میں بھی اپنا ایک بلند اور منفرد مقام رکھتے تھے ایک نقاد اور محقق کی حیثیت سے بھی آپ کا پایا بہت بلند تھا۔ آپ حضرت امیر مینائی کے شاگردانِ خاص میں سے تھے آپ کے ہمعصر اور استاد بھائیوں میں سے استاذی المحترم اعتبار الملک حضرت دل شاہجہانپوری نے تو ہندوستان گیر شہرت حاصل کی اور حضرت جلیل مانکپوری کے بعد جانشین امیر بنائے گئے۔ حضرت دل کے علاوہ

محمد علی میاں خیال، ریاض الرضا خاں فروغ، حافظ فضل احمد فضلؔ شاہجہانپوری اور حاجی عبدالقدیر ادبؔ بھی اپنے نامی گرامی استاد کا نام بلند کرنے میں کوشاں تھے۔

حضرت حافظ صاحب نے گوشہ گیری، عزلت نشینی اور نام و نمود کی خواہش سے بیزاری کے باعث وہ عام شہرت نہ پائی جس کے وہ بجا طور سے مستحق تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ عام شہرت کے فقدان کے باعث (جو کبھی آپ کے مطمح نظر نہ رہی) ان کے تبحر علمی یا شعری و ادبی مرتبہ میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو۔ وہ اپنے ہم عصر شعراء ادباء اور محققین میں ہمیشہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اور سب اُن کے بلند پایہ علمی وادبی مقام کے معترف اور مداح تھے۔ علامہ نیاز فتحپوری ہوں یا عزیز لکھنوی یا نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی سب ہی آپ کے کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے اور آپ کی خداداد صلاحیتوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے رہتے تھے۔

بائیس سال کی عمر میں آپ نے اپنے محترم استاد حضرت امیر مینائیؒ کے تتبع میں ایک واسوخت لکھا جس نے ادبی و شعری دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ یہ واسوخت کتابی صورت میں تو شائع نہ ہو سکا البتہ شاہجہانپور کے موقر ماہنامہ "مرقع" میں بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ راقم الحروف کے پاس اس واسوخت کے مسودے کی ایک نقل موجود تھی لیکن نقل مکانی کی وجہ سے اب وہ دستیاب نہیں ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے اس کی ایک نقل جہاں استاد حضرت داغؔ دہلوی کی خدمت میں ارسال کی تو حضرت داغ نے ان الفاظ میں داد دی کہ داد کا حق ادا ہو گیا اور حضرت حافظ صاحب کو کامیابی کی سند حاصل ہو گئی۔ حضرت داغؔ نے تحریر فرمایا" میں آپ کو اس نومشقی میں ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کی داد دیتا ہوں" پھر ایک تاریخی قطعہ بھی عنایت فرمایا جس کا تاریخی مصرعہ مجھے یاد رہ گیا جو یہ تھا۔

عجب لکھا جلا کے جل کے واسوخت

یہاں اس واسوخت کے چند بند نقل کئے دیتا ہوں تاکہ قارئین کو بھی اس واسوخت کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔

للہ الحمد کہ پھر فصل بہار آ پہنچی
اینڈتی جھومتی مانندِ نگار آ پہنچی
رند سو جان سے جس پر ہے نثار آ پہنچی
یہی غل ہے یہی رندوں میں پکار آ پہنچی
گرم کرتا ہے دلوں کو سخنِ تر میرا
سرد ہوتا ہے میرے خوف سے ہم سر میرا
شورِ اقلیم فصاحت میں ہے گھر گھر میرا
آج صہباں ہے کہاں دیکھ لے جوہر میرا

رنگِ میخانہ گلستاں میں جما جاتا ہے
ساغرِ گل کفِ بلبل پہ نظر آتا ہے
نہیں ملتا ہے کسی سے میرے اشعار کا رنگ
ہے زمانے سے جدا طبع گہربار کا رنگ

ہو رہی ہے صفت شاہد رعنائے بہار
آگے سوسن کے کھلی رکھی ہے انشاء بہار
چشمِ نرگس میں ہے کیفیت صہبائے بہار
آج مدہوش نظر آتے ہیں شیدائے بہار
ہو جو محتاجِ سند وہ نہیں میری تحریر
جو میرے منہ سے نکل جائے وہ پتھر کی لکیر
غیرتِ سلک گہر میری مسلسل تقریر
کیوں نہ ہو پائی ہے کس مہر مبیں سے تنویر

ایک سے ایک ہم آغوش کہیں مستی میں
لب بہ لب ہے کوئی مدہوش کہیں مستی میں
نشہ کیونکر نہ ہو سیر میں سخن آرائی کا
نام لیوا ہوں امیر احمدِ مینائی کا

نعت

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ اللہ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عرشِ عظیم ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پیشِ نظر ہے شانِ محمدؐ، ذہن میں ہیں احسانِ محمدؐ
کیوں نہ ہو پھر قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دل شیدائے آنِ محمدؐ، روحِ فدائے شانِ محمدؐ
وجد میں ہیں مستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بے تعداد احسانِ محمدؐ، بے پایاں فیضانِ محمد
رحمتِ حق قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از آدمؑ تا حضرت عیسیٰؑ سب عالی رتبہ ہیں لیکن
اور ہی کچھ ہے شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بہتر سب سے اعلیٰ سب اعجازِ رُسل سے بالا
معجزۂ قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عاقل پر کھُلتا ہے ہویدا اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی
توقیرِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے پرسانِ شانِ محمدؐ، جویائے فیضانِ محمدؐ
دیکھ ذرا قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عینِ عنایت، چشمۂ رحمت، بحرِ حقیقت حسنِ رسالت
خُلقِ عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صدیوں کے مُردوں کو جلایا، پیغامِ توحید سنایا
روحِ رواں قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لرزاں تھے شاہانِ زمانہ، حیرت میں ہر اک فرزانہ
کیا تھی شوکت و شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

امنِ جہاں قائم فرمایا، جو جس کا حق تھا دلوایا
قربانِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سارے بد افعال چھڑائے سب عمدہ اخلاق سکھائے
جانِ جہاں قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مری تمنّا وہ دائرہ ہے نہ جس کا اوّل نہ جس کا آخر
کہ جن حدوں سے گذر چکا تھا انہیں حدوں میں پھر آرہا ہوں

اسی دھن میں ہم اٹھ اٹھ کر ہزاروں بار بیٹھے ہیں
نہ وہ آرام جاں آیا نہ موت آئی شب وعدہ



دل کے ٹکڑے کئے اے دل بن کے دشمن کر وہ کہتے ہیں
کس نے توڑا ہے پیمانہ ٹوٹا کیا گیا

(اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہجہانپوری)

اُستادِ فن امیرؔ سخنور کا فیض ہے
ذرّے کو جس نے جوہرِ قابل بنا دیا

از سلیم شاہجہانپوری

اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہجہانپوری

شاعری میں میرے محترم اُستاد اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہجہانپوری (مرحوم) شاہجہانپور کے ایک شریف پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ نہ صرف شاعری میں ہندوستان گیر شہرت کے حامل تھے بلکہ انسانیت دوستی میں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ وہ شاہجہانپور کے دوسرے سینکڑوں پٹھان شرفا کی طرح زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن اُن میں دوسرے ہمعصر زمینداروں کی طرح رعونت کی کوئی رمق نہ پائی جاتی تھی۔ وہ ایک بیحد نیک شریف الطبع اور منکسر المزاج طبیعت کے مالک تھے۔ تکبر و ریا کا کوئی عنصر ان کی جبلت میں شامل نہیں تھا۔ وہ اپنے معاشی استحکام کے لئے تعمیراتی ٹھیکے بھی لیا کرتے تھے۔ لیکن زمینداری یا ٹھیکیداری اُن کے معمولات میں ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے فارسی میں طب کی سند حاصل کی تھی اور صبح سویرے اپنی نشست گاہ میں تشریف لے آتے تھے اور مریضوں کے امراض کی تشخیص اور نسخہ جات تحریر کرنے میں کافی وقت گذارتے تھے اور یہ کام وہ بلا معاوضہ یا فیس کے محض خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار ہو کر برضا و رغبت انجام دیا کرتے تھے۔ ان کا اپنا کوئی دواخانہ بھی نہیں تھا۔ مریض جہاں سے چاہتا ان کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق دوائیں حاصل کر لیتا تھا۔

ان کے بڑے صاحبزادے شبیر حسن خاں اپنے نامور والد کی طرح نیک، شریف الطبع اور ملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ایک کامیاب وکیل ہیں اور ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں لیکن شاعری کی طرف ان کا میلان نہیں۔ البتہ ان کے چھوٹے بھائی شفیق حسن خاں مرحوم شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے قطعات نگاری کے میدان کو اپنی شاعری کے لیے پسند کیا اور اس میدان میں کچھ کامیابیاں بھی حاصل کی تھیں کہ پیغام اجل آپہنچا اور وہ عنفوان شباب ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اُن کے قطعات کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے حضرت امیر مینائیؒ کے شاگردوں کے حالات ترتیب دے کر انہیں دہلی کے کسی رسالہ میں چھپوا دیا تھا۔ مرحوم کا شعری ذوق بہت ارفع و اعلیٰ تھا اور اگر زندگی وفا کرتی تو وہ شاعری میں اپنا ایک منفرد مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور اپنے نامور والد کی جانشینی کا مقام حاصل کر لیتے۔

حضرت دلؔ نے جس زمانے میں شعور کی منزل میں قدم رکھا وہ عہد حضرت امیر مینائیؒ، حضرت جلال لکھنوی اور

حضرت داغ دہلوی کے عروج کا زمانہ تھا۔ سارے ہندوستان میں ان استادانِ فن کی شاعری کا چرچا اور ان کی سخن آفرینی کی دھوم مچی ہوئی تھی اور بچہ بچہ ان کی شاعری کو گلیوں اور راستوں پر گاتا نظر آتا تھا۔

لکھنوی شاعری تمام تر مجاز سے تعلق رکھتی تھی اور لکھنؤ کا ہر شاعر ظاہری حسن کا دلدادہ نظر آتا تھا۔ وہ حسنِ ظاہری کی تفصیلات میں اس درجہ مستغرق ہو جانے کہ انہیں بُرے اور بھلے کی تمیز بھی نہ رہتی تھی اور ان کا کلام عریانیت کی حدوں کو چھونے لگتا تھا۔ لیکن اُسی مجاز پرستی کے اندھیروں میں حضرت دل نے تصوف اور حقیقت کی شمع روشن کی اور اُسے ناجیات بادِ مخالف کے تمام جھونکوں سے محفوظ رکھنے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں اور ان کے کلام کے مطالعہ سے ایک قاری یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے دَور کے شعری ماحول سے بالکل متاثر نظر نہیں آتے بلکہ انہوں نے اپنی شعری تخلیقات کے لئے جو دُنیا بنائی ہے وہاں رکاکت اور عریانیت کا کوئی دخل نہیں۔ انہوں نے تہذیب کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا اور اپنے محسوسات اور اظہار جذبات کے لئے پاکیزگیٔ خیال اور طہارتِ جذبات کو اپنا رہنما بنایا۔ وہ ایک پاکیزہ خیالات رکھنے والے ایسے شاعر تھے جو عشقیہ جذبات کو بھی مہذب اور مناسب الفاظ میں بیان کرنے پر پوری طرح قادر تھے اور یہی اندازِ بیاں ان کو اپنے ہمعصر مشاہیر شعراء جلیلؔ مانکپوری، مضطرؔ خیرآبادی، ریاضؔ خیرآبادی، خیالؔ شاہجہانپوری وغیرہ سے ممیز و ممتاز کرتا اور ان کی انفرادیت کا ضامن ہے۔

ماہنامہ "رہنمائے تعلیم" لاہور نے "دل نمبر" شائع کر کے اُن کے محاسنِ کلام اور ان کے شعری مقام کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں اولیت کا مقام حاصل کیا تھا۔ جن میں حضرتِ دلؔ کے شاگردانِ خاص میں راقم الحروف کا نام اور منتخب کلام بھی شامل ہے۔

خیال اغلب ہے کہ حضرت دل کے شاگردانِ خاص میں سوائے راقم الحروف کے جو ۱۹۳۱ء میں دلؔ صاحب کی شاگردی میں آیا کوئی شاعر بقید حیات نہیں۔ ہاں میرے بعد آنے والے شاگردوں میں برادر مکرم شبنم رومانی ہیں جنہوں نے کراچی میں رہ کر اپنے استادِ گرامی کا نام روشن کیا اور پاکستان گیر شہرت حاصل کی۔

حضرت دلؔ کے دو ضخیم دیوان "نغمہ دل" اور "ترانہ دل" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن اب (خصوصاً پاکستان میں) نایاب ہیں۔ راقم الحروف کے پاس دونوں دیوان موجود تھے لیکن کوئی صاحب مانگ کر لے گئے اور پھر کبھی واپسی کی نوبت نہ آئی۔

حضرت دل

نعت

کیونکر نہ ہو مومن کو تمنائے مدینہ
ہیں مالکِ جنّت چمن آرائے مدینہ

تنویر سے معمور ہے ہر ذرّۂ یثرب
دیکھو تو سہی رونقِ صحرائے مدینہ

مدّاح رہا آپ کا ہر کافر و مومن
مجموعۂ اخلاق تھے مولائے مدینہ

افسردہ دلوں پر نظرِ فیض و عطا ہو
اے بحرِ کرم اے چمن آرائے مدینہ

تقدیر چمک جائے گی یثرب کی فضا میں
ہے نور فزا شدتِ سودائے مدینہ

روضے کی زیارت سے شرف پائیں گے زائر
کھینچے لئے جاتی ہے تمنّائے مدینہ

سرچشمۂ توحید ہے یہ شہرِ مقدّس
یکتا نظر آئی ہمیں دُنیائے مدینہ

فقرہ ہے چمن میں یہ عنادل کی زباں پر
ہر پھول سے خوش رنگ ہیں گلہائے مدینہ

جتنا بھی بڑھوں شوقِ لقا اور سوا ہو
ہے راحتِ دل جوشِ تمنّائے مدینہ

اس راہ میں درکار ہے اخلاص و عقیدت
گلشن نظر آیا ہمیں صحرائے مدینہ

ہے پاک و منوّر وطنِ شاہِ دو عالم
قدسی بھی نظر آتے ہیں شیدائے مدینہ

ہو نوکِ قلم صفحۂ کاغذ پہ گل افشاں
مقصود ہے مدح چمن آرائے مدینہ

پایا لقب اے دلؔ یہ فقط حبِ نبیؐ سے
کہتے ہیں ملائک مجھے شیدائے مدینہ

جمیل جالبی

ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی ڈی لٹ

مورخہ ٣ / اگست ١٩٨٧ء

محترمی ، سلام مسنون

گرامی نامہ ملا ۔ جس کے لیے شکرگزار ہون ۔
امید ہے آپ بخیر و عافیت ہون گے ۔

" حضرت سلیم شاہ جہانپوری صاحب کا کلام وقتاً فوقتاً میری نظر سے گذرا ہے اور مین کہہ سکتا ہون کہ وہ ایک قادر الکلام اور پُرگو شاعر ہین ۔ ان کے اشعار مین جذبات کی آنچ بھی ہے اور احساس کی لَو بھی ۔ اسی لیے ان کا کلام پراثر ہے ۔ مین " گرد کاروان " کی اشاعت پر جناب سلیم شاہ جہانپوری صاحب اور ان کے شاگردون کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہون " ۔

مخلص

جمیل جالبی

(ڈاکٹر جمیل جالبی)

بخدمت گرامی
جناب محمد سلیم شاہ جہانپوری صاحب
سادات منزل ،
فیملی کوارٹرز ، مارکیٹ روڈ ،
نواب شاہ سندھ ۔

فون: دفتر ۸۱۳۹۲۸
گھر: ۸۵۱۳۳۷

ڈاکٹر جمیل جالبی

صدرنشین

تاریخ : ۲۲ – ۱۲– ۱۹۸۷ء

محترمی ! سلام مسنون !!

گرامی نامہ ملا جس کے لیے انتہائی شکرگزار ہوں – نفاذِ اردو کے سلسلے میں میری اور آپ کی رائے اور نقطۂ نظر یقیناً ایک ہے – میں اپنے طور پر اس کام کو کر رہا ہوں اور کروں گا اور ضروری ہے کہ آپ بھی اپنے اپنے حلقے اور علاقے میں اس کام کو اپنے طور پر انجام دیں تاکہ نفاذ اردو کے لیے موثر و سازگار فضا بن سکے – آپ کی دعائیں میرے لیے روشنی کا درجہ رکھتی ہیں –

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے –

آپکا مخلص

جمیل جالبی

(ڈاکٹر جمیل جالبی)

بخدمت گرامی :

جناب سلیم شاہجہانپوری ،
نگران اعلی ،
بزم ارباب قلم نوابشاہ ،

مقتدرہ قومی زبان ○ ۱۶- ڈی (غربی) ○ ایف ۶/۱ ، بلیو ایریا ○ اسلام آباد

۸۶/

اکادمی ادبیاتِ پاکستان
PAKISTAN ACADEMY OF LETTERS
(Established by the Ministry of Education, Government of Pakistan)

PROF. PARESHAN KHATTAK
CHAIRMAN

House No. 12,
Street No. 31,
F-7/1, Islamabad.

Tele : 814677
Cable: "ACADEMY"

Date. ۱۶/نومبر ۸۷ء

پی اے ایل / چیئرمین -۲/۸۷۔

محتــــــرمی ،

ســــلام مسنــــون ـ

آپکا گـرامی نـامه اور شاعری کے چند اوراق موصول هوئے ـ میں ادب کا طالب علم هوں ـ اس لئے آپ جیسے عالم فاضل کی شاعری پر کیا رائے دے سکوں گا ـ البته مجھے یه کهنے میں کوئی باک نهیں که آپکی شاعـری فکری اور فنی هر دو اعتبـار سے جس پخته کـاری کا اظهار هے وه هر شاعر کا انتهائے مقصود هے ـ

آپکی نعت جس عقیدے اور احترام کیساتھ سامنے آئی هے ، نعت گوئی کا حق ادا هو جاتا هے ـ غزل میں رنگ تغزل آپکے حسن و نظر اور هنر کاری کا ثبوت بھی هے ـ خدا کرے آپ مع الخیر هوں ـ

والسّــــــلام

مخلص

(پـریشان خٹـک)

جناب سلیم شاهجهانپوری صاحب
سادات منزل ، فیملی کوارٹرز ،
مارکیٹ روڈ نواب شاه (سندھ) ـ

بکھرے ہوئے موتی

موتی، اقوال کی صورت میں ہوں یا اشعار کی صورت میں، بکھرے ہوئے ہوں یا لڑی میں پروئے ہوئے، اگر سچّے ہوں تو اپنی قیمت منوا لیتے ہیں۔ جگر مراد آبادی نے کیا اچھا اور سچا شعر کہا ہے کہ

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اگر ایسا نہ ہوتا تو جناب سلیم شاہجہانپوری کے منتخب اشعار کا مختصر سا کتابچہ، بکھرے ہوئے موتی مجھے ہرگز اپنی طرف متوجہ نہ کرتا سعدی نے گلستان کی ایک حکایت میں کہا ہے کہ "چیزے با قامت کہتر بقیمت بہتر" یعنی عموماً جو چیز قدو قامت میں چھوٹی ہوتی ہے قدر و قیمت میں بڑی ہوتی ہے۔ ثبوت و استدلال کے طور پر اپنے قول کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دیکھو، بکری حلال اور ہاتھی حرام ہے، نیز طور کی چھوٹی سی پہاڑی قدر و منزلت میں ہمالہ جیسی عظیم فلک بوس پہاڑ سے بھی عظیم تر ہے۔ سلیم شاہجہانپوری کے چند ورقی دیوانچے کی بھی یہی صورت ہے کہ مقدار و ضخامت کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں لیکن معیار و اعتبار کے لحاظ سے بہت کچھ ہے۔ چھوٹی تقطیع کے بیس صفحات میں حمد و نعت اور غزلیات ملا کر، بمشکل ڈیڑھ سو اشعار ہوں گے لیکن میر تقی میر کے لفظوں میں

''یاں وہی ہے جو اعتبار کیا''

پورا کتابچہ کیا بلحاظ زبان و بیان، پاکیزہ و سنجیدہ اور کلاسیکیت میں رچا ہوا ہے وہیں بلحاظ فکر و خیال تازہ شگفتہ اور عصری آگہی کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ ماضی پوری طرح حال سے پیوستہ اور حال ہر طرح مستقبل سے ہم رشتہ ہے۔ دیوانچہ کیا ہے عہد حاضر کی تہذیبی و سماجی زندگی کا آئینہ ہے۔

سلیم شاہجہانپوری کے مختصر سے جزو کلام کی جب یہ کیفیت ہے تو کل کا کیا عالم ہو گا۔ اس کے بارے میں وثوق سے تو اُس وقت کچھ کہا جا سکتا ہے جبکہ بکھرے ہوئے موتی یکجا ہو کر کل کی صورت میں سامنے ہوتے، پھر بھی خواجہ میر درد کے لفظوں میں چونکہ

''ہر جزو کو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال''

اس لئے یقین ہے کہ کُل اپنے جُزو سے بہر حال قیمتی اور دلکش ہو گا اور سلیم شاہجہانپوری کی شہرت کا باعث بنے گا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

(تمغہ ستارہ امتیاز)

اظہار حقیقت

سلیم شاہجہانپوری.......ایک دل آویز شخصیت

میں یہ دعوی تو نہیں کر سکتا کہ جناب سلیم شاہجہانپوری سے میری قربت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ رہی ہے یا میں ان کے بے تکلف دوستوں میں شامل رہا ہوں۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں میرے بزرگ ہیں اور میرا تعلق ان سے نیاز مندانہ رہا ہے سب سے بڑی بات یہ کہ جب بھی ماضی میں ناچیز پر کوئی گھڑی مشکل آن پڑی تو شاہ صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوتا رہا اور سکون حاصل کرتا رہا۔

محترم سلیم شاہجہانپوری ہماری تاریخ کا چلتا پھرتا مرقع ہیں اس پیرانہ سالی میں بھی بلا کا حافظہ رکھتے ہیں ان کی گفتگو میں زندگی کی سادگی اور متانت آپس میں گھل مل کر ایسی شیرینی و دلکشی پیدا کردیتی ہیں کہ آپ پہروں ان کی صحبت میں بیٹھ سکتے ہیں۔

سید محمد میاں صاحب جیسی ہستیاں اس عہد زیاں میں ہمارا سرمایہ ہیں ہماری سوسائٹی کے لئے اگر کوئی نام سب کے لئے متفقہ طور پر قابل قبول ہے تو وہ صرف سلیم صاحب ہیں۔ یہ درحقیقت ان کی دیانت داری اور غیر جانبداری پر مکمل اظہار اعتماد ہے۔ حیرت انگیز طور پر ہر حلقہ میں ان کی عزت اور احترام میں ہمہ جہتی دوستانہ روابط میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس کی وجہ غالباً" یہ ہے کہ یہ اپنے شدید ترین نظریاتی حریف سے بھی اپنے معاشرتی روابط کبھی منقطع نہیں کرتے بلکہ ان سب سے بڑی وضعداری اور کریمانہ حسن سلوک کے ساتھ پیش

آتے ہیں۔ ان کے پاس جو لوگ اکھٹے بیٹھے نظر آتے انہیں کسی اور جگہ اس طرح یکجا کرلینا ممکن نظر نہیں آتا۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ سلیم صاحب کے پاس ہر شخص کے لئے اس کے ذوق اور پسندیدہ موضوع یا دائرہ کار سے متعلق کسی بھی عنوان سے تفصیلی گفتگو کے لئے وافر علم و آگہی کا سرمایہ موجود ہے۔ ادب میں شعر و شاعری کا میدان ہو یا افسانہ اور تنقید' تجارت اور معیشت وغیرہ کے امور ہوں یا تاریخ اور تعلیم کے مسائل ہوں یا منطق اور فلسفہ کے نکات' قرآن و حدیث زیر غور ہوں یا اسلاف کی خدمت دین اور تحریکات وغیرہ' سلیم صاحب سے تبادلہ خیال کرنے والا کبھی یہ محسوس نہیں کرتا کہ میرا مخاطب میرے شعبہء علم میں کہیں ہلکا یا ہیٹا ہے۔

سلیم صاحب کی شخصیت کو دیکھنے پرکھنے بلکہ پڑھنے کے وسیع مواقع مجھے ملے ہیں میں اپنے تجربہ کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ سلیم صاحب ایک بہت بڑے انسان ہیں۔ بڑا انسان وہ نہیں جو بڑے مناصب' بلند محلات' کثرت مال و زر رکھتا ہو۔ ان میں سے کوئی بھی شے کسی کو بڑا انسان بنادینے پر قادر نہیں بلکہ اکثر وہ انسانوں کو پستی میں ڈھکیلنے بلکہ اسفل السافلین کی گہرائیوں میں گرا دینے کا باعث بنتی ہیں۔ بلکہ بڑا انسان وہ ہے جو بندگان خدا کے دلوں پر راج کرے اور خلق خدا اس کے حسن سیرت کی گواہ ہو اور یہ تمام صفات ان میں موجود ہیں۔ وسعت علم' کریمانہ اخلاق' پابندیء صوم و صلوٰۃ' قرآن و حدیث سے گہرا شغف' رزق حلال کے لئے تگ و دو' صرف بقدر ضرورت اور قناعت کی حدود میں جکڑی ہوئی زندگی کے لئے روزی کی طلب' صبر و رضا' مزاج کی شگفتگی' حیا کے رنگ میں رچی بسی حسّ مزاح' ترغیب و تحریص کے پھندوں سے آزادانہ زندگی' بلا کی شان بے نیازی' دوستوں کے لئے اخلاص و حرمت' بزرگوں اور بالخصوص علمائے کرام کے لئے عزت و احترام' چھوٹوں کے لئے شفقت' اپنے لئے عاجزی و انکساری' حلال و حرام اور معروف و منکر کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسداری کی بناء پر دلوں پر راج کرتے ہیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

سلیم شاہجہانپوری صاحب جیسے لوگوں کی صفاتی تخلیق بھی سہل نہیں ہے انسانوں سے تو معاشرہ بھرا پڑا ہے۔ لوگ ہر طرف ابل رہے ہیں لیکن ہے دنیا کے جملہ مادی وسائل میں یہ قوت صلاحیت کہ وہ ہمیں ایک سلیم شاہجہانپوری پیدا کر کے دیدے؟

سلیم صاحب انسان ہیں فرشتہ نہیں سہو و خطا کا امکان دوسرے انسانوں کی طرح ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے لیکن یہ حد درجہ محتاط بھی ہیں اور ہمہ وقت مغفرت طلب بھی۔ یہ صفت صرف انہی لوگوں میں پائی جاسکتی ہے جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوں اور جن کے دل خوف خدا سے معمور رہتے ہوں۔ سلیم صاحب کو دنیا سے اگر کچھ سمیٹنے کا جنون ہے تو وہ صرف علم کا حصول ہے۔ مختلف موضوعات پر اہم کتابوں کا مطالعہ ان کا معمول ہے اور سب سے اہم کتاب قرآن حکیم ہے جس کے مطالعے سے ان کے دن کا آغاز ہوتا ہے' یہ گھر میں ہوں یا سفر میں ان کی کوئی صبح ایسی نہیں ہوتی جس میں تلاوت قرآن کی پابندی کا معمول کبھی ٹوٹ جاتا ہو۔ سلیم صاحب کا دین سے ناقابل شکست رشتہ ان کا اثاثہ ٔ زیست اور جزو ایمان ہے۔

سلیم صاحب جیسی نابغہ ٔ روزگار اور جامع الصفات شخصیت کا نواب شاہ سے چلے جانا دراصل اہل نواب شاہ خصوصاً" اہل علم کی بدقسمتی ہے۔ ان کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے۔ نواب شاہ میں ان کے درجنوں شاگرد ہیں جو کہ خود استادی کی منزل میں قدم رکھ چکے ہیں۔ پاکستان کے جرائد و رسائل اور اخبارات میں بھی ان کا کلام اکثر اشاعت پذیر ہوتا رہتا ہے۔

جہاں تک ان کی قادر کلامی کا تعلق ہے۔ ان کے ہمعصر شعراء اس کے معترف ہیں ان کا شمار ان ممتاز حقائق نگار شعراء میں ہوتا ہے جن کے پیش نظر صحت زبان' سلاست بیاں' اور جدت طرز ادا کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف پہلوؤں' پاکیزہ خیالات اور لطیف جذبات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنا بھی ہوتا ہے۔ سلیم صاحب ایک کہنہ مشق اور ممتاز شاعر ہیں۔ کلام کی پختگی اور بلاغت اس امر کی غماز ہے کہ عمر عزیز دشت شعر و ادب کی سیاحی میں گزری ہے۔ شعر و سخن کی اس پرخار وادی میں نہ معلوم کتنی سنگلاخ زمینوں کو اپنی قادر الکلامی کے اعجاز سے پانی کر دیا ہوگا۔

سلیم شاہجہانپوری صاحب کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ انہیں ابتدائی زندگی میں نہایت نامساعد حالات اور سخت محنت کشی کے ادوار سے گزرنا پڑا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خفیہ صلاحیتوں کی بیداری اور ارتقاء کے سامان پیدا کئے۔ وہ "نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں۔ ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں"۔ کی عملی تصویر ہیں یہی ان کی عصمتِ قلم اور معروفیت کا راز ہے۔

سلیم صاحب کی حیات کا ایک لمحہ ہم جیسوں کی عمروں پر محیط ہے ۸۴ سال کی عمر میں بھی ان کے لہجے میں جوانوں کی سی توانائی اور فرعون صفت لوگوں کو چیلنج کرنے والے مجاہدوں کا سا آہنگ ہے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ جناب سلیم شاہجہانپوری کو اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کو یہ سوچنے کی توفیق بخشے کہ دنیا کی نیک نامی اور عزت و وقار کا واحد راستہ بھی طلب آخرت ہے۔ تربیت کرلی جائے تو یہ دنیا بھی جنت بن جاتی ہے اور ابدی زندگی کے لئے بھی ناقابل تصور نعمتوں سے بھری جنت یقینی ہو جاتی ہے۔ جناب سلیم کی صبرو رضا والی قابل رشک زندگی ہمارے لئے ایک حسین درس ہے۔ شکریہ

(رئیس) عبدالقادر ڈاہری
سابق پرنسپل گورنمنٹ سچل کالج نواب شاہ

پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی

امیر مینائی کی آخری یادگار

قبلہ محترم سلیم شاہجہانپوری، خانوادۂ امیر مینائی کے آخری چراغ ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ امیر مینائی کی نسل میں سے ہیں بلکہ یوں کہ وہ اس دبستان فکر کی یادگار ہیں جسے امیر مینائی کا فکری گھرانہ کہا جاتا ہے۔ کوئی چالیس برس قبل حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری نے فرمایا تھا۔

کہاں جلیل و ریاض اب کہاں خیال و شرر
وہ گل تو ہو گئے رخصت یہ خار باقی ہے
جو خادمانِ جناب امیر تھے مختار
بس ایک ان میں سے یہ خاکسار باقی ہے

اب سلیم شاہجہانپوری کہہ رہے ہیں:۔

تھے جس کے قافلہ سالار امیر مینائی
وہ قافلہ تو گیا اب غبار باقی ہے
سلیم داخلِ جنت ہوئے دل و مختار
اب ان کے بعد یہی خاکسار باقی ہے

سلیم صاحب، دل شاہجہانپوری اور حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری کے واسطہ سے امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔

پچھلے برس میرا ایک مضمون جناب ادم پرکاش عارف ہوشاریوری پیدائش (۱۹۱۱ء) کے تعلق مشہور ادبی پرچے اوراق میں شائع ہوا جس کا عنوان تھا داغ گھرانہ کا بے داغ شاعر۔ عارف صاحب تین واسطوں سے داغ کے گھرانے کے فرد تھے۔ اس مضمون میں میں نے یہی لکھا تھا کہ ہم لوگوں نے ترقی کی دوڑ میں بعض اچھی روایتیں بھی ترک کر دی ہیں ان میں سے ایک روایت شعر و ادب میں کسی استاد سے وابستہ ہونے کی روایت تھی۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ غلطیوں میں پختہ نہیں ہوپاتے تھے استاد انہیں ٹوک دیتے تھے۔ مبتدی حضرات کسی نہ کسی استاد سے وابستہ ہونے کو اپنے لئے فخر و افتخار کی بات جانتے تھے۔ تلمذ کی روایت ہمارے ہاں بزرگوں تک چلی۔ ہماری نسل تک بھی افتاں خیزاں آئی، پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

تلمذ کی روایت محض اصلاح شعر کی روایت نہیں تھی۔ اس طرح اساتذہ اور ان کے تلامذہ میں یک رنگی بھی پیدا ہو جاتی تھی اور اس مخصوص رنگ میں شعر کہنے والے اس گھرانے کے افراد کہلاتے تھے۔ دبستانِ دہلی اور دبستان لکھنؤ کے بیشتر اساتذہ کا رنگ منفرد تھا اور اپنے انداز سے پہچانا جاتا تھا۔ فی الحقیقت اساتذہ کہلاتے بھی وہی لوگ تھے جن کا اپنا مخصوص انداز بیان ہوتا تھا جس طرح شعر پڑھتے ہی اہل ادب اندازہ لگا لیتے ہیں کہ وہ شعر دبستان دہلی والوں کا ہے یا لکھنؤ والوں کا اسی طرح انفرادی طور پر اساتذہ کا رنگ بھی

پہچانا جاتا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز تک دہلی والوں میں سے داغ اور داغ کے اکثر تلامذہ کا رنگ نمایاں تھا۔
لکھنوی اپنے دور کے اساتذہ تھے۔ ہر استاد کا انفرادی رنگ تھا۔ داغ کے ہاں معاملہ بندی کا رنگ اور زبان کی بو قلموں کیفیتوں سے لطف اٹھانے کا رنگ تھا۔ امیر مینائی کے ہاں لغت گوئی، تصوف اور زبان و بیان کی لکھنوی نزاکتوں کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ یہی رنگ ان کے شاگردوں میں نمایاں رہا۔ امیر کے خاص انداز کی مثال دینے سے بات شاید واضح ہو جائے۔ امیر کے دو شعر ان کے انداز کے نمایاں شعر ہیں۔

ابھی مزار پر احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے
امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

غزل کے مضامین کو بھی امیر اسی انداز سے باندھتے تھے۔ یہ شعر دیکھئے جو خالصتہً غزل کے مضامین ہیں مگر بات کہنے کا انداز امیر کا اپنا ہے۔

تو نے بلبل جب سے دو تنکے لئے
ٹوٹتی ہیں بجلیاں ان کے لئے
وصل کا دن اور اتنا مختصر!
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے!

امیر مینائی کا انداز ان کے سارے تلامذہ میں نمایاں رہا حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری کے ہاں بھی وہی رنگ ہے۔ زمین ہے آساں ہوں میں۔ انساں ہوں میں، گریاں ہوں میں، شعر ہوا۔

بیڑیاں توڑ کے چلتے ہوئے یاران کہن
اب اسی دھن میں قریب درزنداں ہوں میں

یا اس غزل کے دو شعر اور جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ خار باقی ہے، بہار باقی ہے۔

جنابِ حسن کی جب تک بہار باقی ہے
امیدوار پر امیدوار باقی ہے
مرا مزار نہ خاکِ مزار باقی ہے
مگر وہ ہیں کہ ابھی تک غبار باقی ہے
تمام اہل جہاں کی عنایتیں فانی
مگر عنایتِ پروردگار باقی ہے

الفاظ کے دروبست سے پورے طور پر فائدہ اٹھانا اس گھرانے کا خاص رنگ ہے۔ خاکِ مزار کے ساتھ دل کے غبار کے

مضمون کو یکجا کرنا امیر کے گھرانے ہی کا حصہ ہے۔ یہ رنگ حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری کے علاوہ جلیل مانک پوری اور ریاض خیر آبادی کا رنگ بھی ہے سلیم شاہجہانپوری کو اس گھرانے کا فرد ہونے پر فخر ہے۔

سید محمد میاں نام اور سلیم تخلص ہے ۲۰۰ اپریل ۱۹۱۱ء کو شاہجہانپور یوپی میں سادات کے ایک شریف کھرانے میں پیدا ہوئے شاہجہانپور کی سرزمین کو شعر وادب کے لئے بڑی زرخیز زمین کہا جاتا ہے اور کتنے ہی اساتذہ، فن اس سرزمین سے اُٹھے۔ سلیم شاہجہانپوری بڑے معمور الاوقات شاعر ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے باوصف آپ نے شعر وادب کی طرف پوری توجہ مبذول رکھی ہے مگر یہ شغف ان کی توجہ کو بانٹنے کا موجب نہیں بنا۔ ان کی ساری توجہ اپنے فرائض پر مرتکز رہی۔ جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور اللہ کے فضل سے اب تک لے رہے ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "بکھرے ہوئے موتی" کے عنوان سے چھپا تھا جواب نایاب ہے۔ مگر اس مجموعہ کے مزاج سے ان کے شعری مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہی امیر کے گھرانے کا انداز

کبھی کبھی وہ خطا پر سزا بھی دیتا ہے
وفا کریں تو وفا کا صلہ بھی دیتا ہے

جب کبھی صحرا کی جانب کوئی فرزانہ گیا
راستہ اس کو دکھانے کوئی دیوانہ گیا

یا

اک ذرا توحید کے مرکز سے ہٹ کر دیکھنا
پوچنا پڑتے ہیں تم کو کتنے پتھر دیکھنا!

اس رنگ کو قائم رکھتے ہوئے شعر کہنا اور مسلسل کہنا بڑا اجا نکاہی کا کام ہے مگر سلیم شاہجہانپوری صاحب نے یہ کام کر کے دکھایا ہے مجھے یاد ہے ایک بار سلیم صاحب میرے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس ایک اہل ذوق حاکم تشریف رکھتے تھے جنہیں شعر کہنے کا تو نہیں سخن فہمی کا بڑا دعویٰ تھا۔ سلیم صاحب تشریف لائے، ذرا سی دیر میں ہی وہ صاحب کہنے لگے یہ بزرگوار کسی معزز شعری گھرانے سے متعلق معلوم دیتے ہیں جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے تلمذ کا سلسلہ امیر سے ملتا ہے تو اٹھ کر نہایت ادب سے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور جب تک تشریف فرما رہے اُن کا ہاتھ نہیں چھوڑا بہت بعد کو بھی جب وہ صاحب ایک کمشنری کے حاکم بن گئے تب بھی انہیں یاد کرتے رہے کہتے تھے انہیں بلاؤ۔ ہم نے کہا اپنے ڈویژن میں مشاعرہ کر کے بلا لیجئے ہم انہیں کراچی سے محض آپ کو شعر سنوانے کے لئے کیسے بلائیں؟

سلیم صاحب میں شاعروں والی علتیں نہیں ہیں۔ ان کی نشست وبرخواست میں ایک بزرگانہ وقار ہے۔ ہجرت کے بعد نواب شاہ میں آکر آباد ہوئے وہاں کے شرفاء سے میل جول رہا انہیں میں سے کسی ایک پروفیسر کی گواہی ہے کہ "ان کی رفتار وگفتار، نشست

وبر خواست اس تہذیب و شائستگی کی آئینہ دار ہے۔ جو خاندان سادات سے مخصوص ہے۔ خاموش طبع اور منکسر المزاج ہونے کے باوجود ادبی محفلوں میں وہ ایک فعال شخصیت کے حامل ہیں" اور یہ گواہی ایسے شخص کی گواہی ہے جس کا جماعت سے تعلق نہیں۔ اوپر بھی حاکم کا ذکر ہوا اور جماعت سے متعلق نہیں تھے۔ سلیم صاحب نے اپنے اخلاقِ فاضلہ سے لوگوں کو اپنا گردیدہ بنا رکھا ہے۔

سلیم صاحب نواب شاہ سے اُٹھ کر کراچی چلے گئے تو بھی انکی ادبی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جماعتی کاموں میں بھی پوری دلجمعی سے حصہ لیتے رہے اور خدمت پر مستعد رہے۔ غرض ان کی شعری مصروفیات ان کی جماعتی مصروفیات میں حائل نہیں ہوتیں۔

سلیم صاحب کی شعری خدمات کا سلسلہ ساٹھ پینسٹھ برس پر محیط ہے۔ نظم و نثر میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ داسوخت کے سوا آپ نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ "شہر دعا" ان کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ "نوائے درد" میں صرف موضوعاتی نظمیں شامل ہیں۔ ان کا چوتھا مجموعہ "شکستِ یاس" چھپ رہا تھا۔ خدا معلوم چھپا یا نہیں۔

نثر میں آپ نے "تذکرہ شعراء" مرتب کیا ہے۔ جس میں ۱۸۰ شاعروں اور ۳۳ شاعرات کے حالات اور کلام کا ذکر ہے۔ حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری کے سوانح "حیات علامہ مختار شاہجہانپوری کے نام سے مرتب کی ہے۔

اس سوانحی تذکرہ کے بعد میں ان کے کلام کے بارہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سلیم صاحب کے ہاں سوز و گداز کی جو کیفیتیں نمایاں ہوئی ہیں وہ انہیں ہمعصر شعرا سے ممیز کرتی ہیں۔ کہنے کو تو ہمارے ہاں کی اردو شاعری میں پچھلے ساٹھ برسوں میں بہت سی درد مندی کی کیفیتیں ابھری ہیں مگر سلیم صاحب کے ہاں درد مندی کسی اور پرے دل کی درد مندی نہیں۔ ایسے دل کی درد مندی ہے جو ان کیفیتوں سے خود دوچار ہو چکا ہو۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نے ان کے پہلے شعری مجموعہ کے بارہ میں کہا تھا کہ ان کا مجموعہ کلام جہاں بلحاظ زبان و بیان پاکیزہ و سنجیدہ اور کلاسیکیت میں رچا ہوا ہے۔ وہاں بلحاظ فکر و خیال تازہ شگفتہ اور عصری آگہی کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ ماضی پوری طرح حال سے پیوستہ اور حال ہر طرح مستقبل سے ہم رشتہ ہے (مجموعہ کیا ہے) عہد حاضر کی تہذیبی و سماجی زندگی کا آئینہ ہے" اس بات کا مطلب یہ ہے کہ سلیم صاحب نے ماضی کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مستقبل کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ اس بات کو میں اپنے لفظوں میں یوں کہتا ہوں کہ سلیم صاحب نے اپنے گھرانے کی روایات پر حرف نہیں آنے دیا۔ ان کے کلام میں کلاسیکیت کی خوشبو بھی ہے اور عصری آگہی کا رچاؤ بھی۔

امیر کے تلامذہ کا ایک رنگ زبان و بیان پر قدرت کا رنگ تھا۔ ان کی غزلیں یک غزلہ نہیں ہوتی تھیں۔ سہ غزلے اور چہار غزلے تک نوبت جا پہنچتی تھی۔ حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری کے چہار غزلے تو ہم نے خود اپنے کانوں سنے ہیں اور چار چار پانچ پانچ مطلعے کہہ جانا تو گویا کوئی بات ہی نہیں تھی۔ یہی سلسلہ سلیم صاحب کے ہاں چلا آرہا ہے۔ یہ چودہ شعر کی غزل ہے جس کے چار تو صرف مطلعے ہیں۔

وہی ہے دورِ مئے محبت وہی ہیں پینے پلانے والے
کچھ ایسی بدلی نگاہِ ساقی کہ اُٹھ گئے خود اٹھانے والے
مٹا سکیں گے نہ اپنی کوشش سے اہل حق کو زمانے والے
بھلا مصائب سے کیا ڈریں گے یہ جان پر کھیل جانے والے

ہمیشہ انکار کرتے آئے حقیقتوں کا فسانے والے
چلاتے آئے ہیں تیر نفرت بقدر ہمت زمانے والے
ہمیں ہیں ہر نیک دل کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھانے والے
ہمارے صورت کو تک رہے ہیں چشم حیرت زمانے والے

یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں کہ ہر شخص ایسا کرے زبان وبیان کی نزاکتوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح چار چار پانچ مطلع کہہ جانا کوئی آسان بات نہیں برسوں کی جگر کاوی کے بعد ایسی قدرت کلام نصیت ہوتی ہے اور ہماشما تو دو چار برس کے بعد ہی خون تھوکنے لگتے ہیں۔ ہمارے قدماء جو طویل نظمیں کہتے تھے تو اس لئے نہیں کہ انہیں صرف زبان وبیان پر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرنا ہوتا تھا اس لئے بھی کہہ جاتے تھے کہ ایک بار طبیعت حاضر ہوتی تو گویا آمد کا سیلاب اُمڈ پڑتا تھا اور نئے سے نئے قافیے سوجھتے چلے جاتے تھے۔
حضرت حافظ مختار احمد صاحب کی جس غزل کا حوالہ میں نے شروع میں دیا اور جس کی زمین ہے زنداں ہوں میں، آساں ہوں میں، اس غزل کے بلا مبالغہ بیس تو مطلعے ہیں۔ سلیم صاحب نے اپنے گھرانے کا اس رنگ میں بھی پورا تتبع کیا ہے۔
غزل میں بیانیہ کارویہ اختیار کرنا بھی اس گھرانے سے خاص ہے وہ غزل دیکھئے ایسی تو نہ تھی والی۔ غزل ہے مگر اس پر عنوان دے دیا ہے تو بے عیب نظم لگتی ہے۔

ملک میں طرز سیاست کبھی ایسی تو نہ تھی
اہل دانش میں رقابت کبھی ایسی تو نہ تھی
اپنے سایہ سے بھی وحشت کبھی ایسی تو نہ تھی
نوعِ انساں میں جہالت کبھی ایسی تو نہ تھی
عیش کوشی کا تصور کبھی ایسا تو نہ تھا
نفسِ سرکش کی اطاعت کبھی ایسی تو نہ تھی!

یہ ایسا تو نہ تھا اور ایسی تو نہ تھی کہہ جانا معمولی بات نہیں ایسا بیانہ اسلوب اختیار کرنا بڑا ریاض چاہتا ہے۔ پھر چالیس شعر کی غزلیں کہہ جانا اور قوافی کو دہرائے بغیر کہہ جانا انہیں کا حصہ ہے۔ غرض سلیم صاحب کے ہاں زبان وبیان کی قدرت، لہجہ کی حلاوت، بات کہہ جانے کی جرات، محاوروں کے برتنے کا سلیقہ، اور سلیس انداز میں مشکل مضامین کو باندھنے کا طریقہ، سب کچھ اپنی پوری رعنائیوں سے موجود ہے۔ ان کا کلام پڑھنے والا جان لیتا ہے کہ یہ کسی عام شاعر کا کلام نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کا کلام ہے جس کے ہاں تہذیب کا پورا رچاؤ اور شرافت نفس کی مکمل گھلاوٹ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں لمبی عمر دے اور ان کے کلام کے فیضان کو عامتہ الناس تک ممد کرے۔ آمین۔

ہدیۂ تبریک

محترم سلیم شاہجہانپوری کہنہ مشق شاعر اور بڑے نستعلیق آدمی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک نہ صرف ان کے اشعار سے لطف اندوز ہوتا رہا ہوں بلکہ پر لطف و پروقار ملاقاتوں کا لطف بھی حاصل رہا ہے۔ خصوصاً" بیتے دنوں کا وہ دور میرے دل پر نقش ہے جب سلیم صاحب بسلسلۂ ملازمت سکھر میں مقیم تھے۔ ان دنوں سکھر میں بڑی ادبی چہل پہل رہتی تھی۔ اکثر و بیشتر ادبی تقاریب اور مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا سلیم صاحب ان محفلوں میں شریک ہوتے اور اپنی شعری تخلیقات سے حاضرین کو مستفیض فرماتے۔

پچھلے کئی برس سے آپ کے دم قدم سے نواب شاہ میں بزم ارباب قلم شعر و سخن کے فروغ میں قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ حال ہی میں سلیم صاحب کے ایک شاگرد عزیز جناب انجم نقوی نے "بکھرے ہوئے موتی" کے نام سے سلیم صاحب کے دیوان "افکار سلیم" کی کچھ جھلکیاں کتابی صورت میں پیش کی ہیں۔ یہ ارمغان سلیم شائقین شعر و ادب کے لئے اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں حمد، نعت، اور غزل کے اشعار کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ اشعار ہماری تہذیبی و ثقافتی قدروں کے آئینہ دار اور فکر و فن کی دل آویز روایات سے وابستگی کا اظہار ہیں۔ خیال کو الفاظ کا ایسا پیرہن عطا کرنا جو اس کے پیکر کو حسین و جمیل بنا سکے شاعر کے اوج کمال کا درجہ رکھتا ہے۔ سلیم صاحب نے اپنے شعر میں یہ حسن و جمال، زبان و بیاں کی سادگی و پرکاری کے ساتھ ساتھ فکر انگیز معنویت سے پیدا کیا ہے مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

خود بخود دل میں کوئی شکل ابھر آتی ہے
حسن وہ شے تو نہیں ہے جسے پرکھا جائے

آتش شوق سے ہے گلشن ہستی میں بہار
آگ لگتی ہے تو یہ باغ ہرا ہوتا ہے

اب میں ہوں اور کوشش پیہم کی لذتیں
اچھا کیا کہ سامنے آ کر چلے گئے

چاند کوئی ادھر سے گذرا ہے
کتنی روشن ہے رہگذر دیکھو

شعروادب کی خدمت میں اب سلیم صاحب کا حصہ نصف صدی سے بھی آگے نکل چکا ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ان کے شہر نواب شاہ میں ایک ایسی شایان شان تقریب کا انعقاد کیا جارہا ہے جس میں موصوف کی شخصیت، شاعری اور علمی و ادبی خدمات پر بھرپور روشنی ڈالی جائے گی۔ میں ذاتی طور پر سلیم صاحب کے حسن اخلاق کا گرویدہ اور انکی نگارشات کا قدرداں رہا ہوں۔ لائق تحسین و آفریں اور ہماری دلی مبارکباد کے مستحق ہیں وہ حضرات جنھوں نے سلیم شاہجہانپوری جیسے بزرگ شاعروادیب کے اعزاز میں ایسی خوبصورت محفل سجائی۔

کارساز حقیقی بزم ارباب قلم کے بانی و نگران اعلیٰ کو قائم ودائم رکھے اور انکی رہنمائی میں کاروان شعروادب، فکروشعور کی اعلیٰ منزلیں طے کرسکے۔

(پروفیسر) آفاق صدیقی

ایک قادر الکلام اور پختہ مشق استاد

"بکھرے موتی" میرے کرم فرما جناب سلیم شاہجہان پوری کی شاعرانہ تخلیقات کا ایک تعارف ہے۔ یہ مختصر کتابچہ اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ یہ ایک مرقع ہے جس میں سلیم صاحب کی شخصیت کے کچھ روپ سامنے آتے ہیں۔ راقم الحروف کو سلیم صاحب سے نواب شاہ میں قیام کے دوران ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کا تعلق "وٹھی کے سادات خاندان سے ہے جو علم و فضل میں بہت مشہور و معروف تھا۔ سلیم صاحب کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست اس تہذیب و شائستگی کی آئینہ دار ہے جو خاندان سادات سے مخصوص ہے۔ ادب و شعر سے ان کو محبت عشق کی حد تک ہے۔ باوجود خاموش طبع اور منکسر مزاج ہونے کے ادبی محفلوں میں وہ ایک فعال شخصیت کے حامل ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کے بعد پاکستان میں انہوں نے نواب شاہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں رہ کر ادب و شعر کی شمع روشن کی۔ اپنے ہم خیالوں کے تعاون سے انہوں نے انجمن ارباب قلم کی بنا ڈالی۔ راقم الحروف کو بھی اس کی رکنیت کا فخر حاصل ہے اس میں ان سے اکثر ملاقاتیں رہیں میں نے انہیں سادہ طبع تہذیب و شائستگی کا پیکر نرم گفتار نیک کردار اور نمود و نمائش سے بے زار پایا آپ سراپا خلوص و محبت ہیں۔ لہٰذا محبت کرنے کے قابل انسان ہیں۔

آپ بہت سی کتابوں کے مصنف اور مؤلف بھی ہیں اور مختلف ادبی رسائل میں آپ کے مضامین چھپتے بھی رہتے ہیں لیکن آپ کا اردو ادب پر احسان آپ کے اشعار ہیں جو نظم اور غزل کی صورت میں ایک بیش بہا خزانہ ہیں نواب شاہ کے مشاعروں میں آپ کے اشعار سننے کا موقع ملا ان اشعار کی حلاوت، لطافت، اور معنویت دل پر گہرا اثر کئے ہوئے ہیں آپ نے اپنے اشعار میں زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے جو انسان کے کردار کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے دور حاضر میں انسان کی اخلاقی گراوٹ اس کا مادی اثرات سے مغلوب ہو کر روحانی اور اخلاقی اقدار کو نظر انداز کرنا دولت اور منصب پر فخر و ناز ہی نہیں بلکہ ان کے حصول اور

قیام کی خاطر اپنے ہی ہم جلیسوں کا استحصال دور حاضر کے سب سے بڑے مسائل ہیں سلیم صاحب کے قلب نے اس کا بہت زیادہ اثر قبول کیا ہے جو ان کے کلام میں جگہ جگہ ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کے باوصف وہ مستقبل سے مایوس نہیں بلکہ نئی نسلوں کو بیدار کرنے اور آمادہء عمل کرنے کے لئے ایک خاص قسم کی خاموش تحریک ان کے کلام میں نظر آتی ہے۔ بہت سے نفسیاتی مسائل پر بھی ان کی نظر بہت گہری ہے ان کے کلام میں اس کے اشارے بھی جا بجا ملتے ہیں۔

زیر نظر مختصر مجموعہ میں کچھ اشعار تو اتنے اچھے لگے کہ جو دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔

موجزن ہیں بحر خاموشی میں کتنے احتجاج
لب کی خاموشی کو تم دل میں اتر کر دیکھنا

وہ آدمی کہ جو پیکر ہو آدمیت کا
کوئی تو کاش ملا دے اس آدمی سے مجھے

ہم نے ہر راہ میں آنکھوں کو بچھا رکھا ہے
نہیں معلوم کہ وہ شوخ کدھر سے گذرے

اب ہم ہیں اور کوشش پیہم کی لذتیں
اچھا کیا کہ سامنے آکر چلے گئے

اٹھتے رہیں دعا کے لئے تیرے سامنے
دست طلب کو اتنی توانائی بخش دے

بھلا جس شخص کی فکر ان اشعار کو تخلیق کر سکتی ہے اس کے اشعار کبھی فنا ہو سکتے ہیں؟ میری سلیمؔ صاحب سے یہ درخواست ہے کہ جلد از جلد اپنے تمام کلام کو طبع کر کے وہ روشناس کرائیں یہ اردو ادب پر بڑا احسان ہو گا۔

سید طاہر حسین نقوی
سابق پروفیسر اردو گورنمنٹ کالج
نواب شاہ

نقل مکتوب گرامی جناب رئیسؔ امروہوی (مرحوم)

مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۶ء بحوالہ "بکھرے موتی"

برادر عزیز و محترم ۔ السلام علیکم

منتخب اشعار کا مطالعہ لطافتِ ذوق اور سرشاری ذہن کا سبب ہوا انشاءاللہ میں اس کا ذکر اپنے مضمون میں کروں گا۔

تبصرہ "بکھرے موتی جناب سلیمؔ شاہجہانپوری کے رشحاتِ قلم کا ثمرہ ہے۔ جناب سلیمؔ کے مذاق سلیم اور ذوق صحیح کا اندازہ مجموعے کے ہر شعر سے ہو سکتا ہے۔ سادات بکڈپو کچہری روڈ نواب شاہ سے اس مجموعے کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

رئیسؔ امروہوی
روزنامہ "جنگ" کراچی

مورخہ یکم مئی ۱۹۸۶ء

ڈاکٹر قیس مینائی ۔ کراچی

تعارف

مجھے یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ جناب سلیم شاہجہانپوری اپنے منتخب اشعار کا ایک مجموعہ طبع کرا رہے ہیں۔

جناب سلیم شاہجہان پوری برصغیر پاک و ہند کے ایک نامور کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ اب سے تقریباً ۵۳ سال بیشتر اُن کی پہلی غزل شاہجہان پور کے مشہور اخبار ہفت روزہ "المیزان" میں شائع ہوئی تھی اُس وقت سے آج تک اُن کے کلام کی اشاعت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ تقسیم ملک سے پیشتر غیر منقسم ہندوستان کے موقر جرائد و رسائل اور اخبارات میں اُن کا بیشتر کلام اشاعت پذیر ہو کر شائقین ادب اور شیدایان غزل سے داد فصاحت و بلاغت وصول کر چکا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ترک وطن کر کے نواب شاہ (سندھ) میں مستقل طور سے سکونت پذیر ہو گئے اور معاشی مصروفیات کے ساتھ اپنی قادر الکلامی کے جوہر بھی دکھاتے رہے اُردو زبان سے والہانہ محبت اور شعر و سخن سے قلبی لگاؤ کے باعث آپ نے نواب شاہ پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ایک پرائمری اسکول کی بنیاد رکھی جو اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آج گورنمنٹ میونسپل ہائی اسکول کی عظیم الشان عمارت میں قائم ہے۔ اِس کے علاوہ "بزم ادب" کا قیام بھی عمل میں لائے جس کی صدارت کے فرائض بھی عرصۂ دراز تک انجام دیتے رہے۔

نواب شاہ میں سب سے پہلی لائبریری اور دارالمطالعہ کے قیام کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے آپ نے نواب شاہ میں ماہانہ مشاعروں کے انعقاد کا بھی ڈول ڈالا اور اِس ذریعے سے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تارکینِ وطن کو نہ صرف اُردو زبان سے روشناس کرایا بلکہ اُن کے دلوں میں شعر و سخن کا ذوق بھی پیدا کیا۔ بسلسلہ ملازمت آپ کو سندھ اور بلوچستان کے مختلف مقامات پر قیام پذیر رہنا پڑا۔ بلوچستان کے مشہور شہر لورالائی میں آپ کو چھ سال تک خدمات بجالانے کا موقعہ ملا۔ آپ نے وہاں بھی ماہانہ مشاعروں کی طرح ڈالی اور کئی اعلیٰ پایہ کے مشاعرے منعقد کرانے میں کامیاب ہوئے بعد ازاں سکھر اور حیدرآباد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا آپ

جہاں کہیں بھی رہے شائقین شعر و ادب نے آپ کے تبحر علمی اور فنی مہارت سے استفادہ کو غنیمت جانا اور آپ نے بھی بشرط فرصت اصلاح کلام سے کبھی دریغ نہ کیا۔

برصغیر پاک و ہند میں آپ کے درجنوں شاگرد ہیں جن میں سے بعض فارغ التحصیل اور خود استادی کی منزل میں قدم رکھ چکے ہیں۔

جناب سلیم شاہجہان پوری حضرت علامہ مختار شاہجہان پوری کے ارشد تلامذہ میں شامل ہیں جو ایک جید و متبحر عالم ہونے کے علاوہ حضرت امیر مینائی لکھنویؒ کے جلیل القدر تلامذہ کی صف اول میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے سلیم صاحب نے اپنے محترم اُستاد سے بہت کچھ سیکھا اور بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ فن تحقیق و تنقید کے لحاظ سے آپ کا مقام اپنے ہمعصر شعراء اور اساتذہ میں کسی سے کم نہیں۔

آپ کی باریک بین نگاہ شعر کی سُبکی یا فنی خامی کو فوراً بھانپ لیتی اور آپ کی فنی مہارت اُس کی اصلاح پر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتی نظر آتی ہے۔

پاکستان کے جرائد و رسائل اور اخبارات میں بھی آپ کا کلام اکثر اشاعت پذیر ہوتا رہتا ہے۔ اور میں بڑے شوق اور انہماک سے آپ کے کلام کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔

جہاں تک آپ کی قادر الکلامی کا تعلق ہے آپ کے ہمعصر تمام شعراء اِس کے معترف ہیں آپ ایک پُرگو زود گو اور خوش فکر شاعر ہیں آپ کے محاسنِ شعری کو اُجاگر کرنے کے لئے جس دلجمعی اور سکون خاطر کی ضرورت ہے وہ بوجہ ضعیف العمری اور مختلف عوارض میں مبتلا ہونے کے راقم الحروف کو حاصل نہیں یہ کام تسلیم صاحب کا کوئی ہونہار شاگرد انجام دے گا۔ تاہم چند اشارے ضرور کئے دیتا ہوں جن سے جناب سلیم شاہجہان پوری کی شاعری کے چند خد و خال کی نشاندہی ضرور ہو جائے گی۔

آپ کی شاعری پر از ابتدا تا انتہا افادیت کی چھاپ نمایاں نظر آتی ہے۔ نظم ہو یا غزل قطعہ ہو یا رباعی آپ نے ہر موقعہ پر یہ احتیاط ملحوظ خاطر رکھی ہے کہ آپ کی زبانِ قلم سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو دور از کار

یا خلافِ واقعہ ہو، رکیک اور مبتذل مضامین سے آپ نے بالکل اجتناب کیا ہے۔

آپ کا کلام معنوی پیچیدگی سے مبرّا، موثر اور دلنشین ہے آپ شاعری برائے شاعری کے قائل نہیں بلکہ آپ کا کلام اعلیٰ وارفع مقاصد کا ایک ایسا مصفّیٰ و مجلّیٰ آئینہ ہے جس میں پاکیزہ اور مقصدی زندگی بسر کرنے کے تمام مراحل کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے آپ نے روایت کے دامن کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا لیکن جدتِ بیان اور طرزِ ادا کے انوکھے پن سے آپ نے اپنے کلام میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک پیدا کر دی ہے۔

آپ کے کسی شعر یا کسی مصرعہ سے بھی یاسیت وقنوطیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ سارے کا سارا کلام رجائیت کا آئینہ دار ہے۔ قدرت نے آپ کو شاعرانہ بصیرت کے ساتھ ہی ساتھ فنی مہارت بھی عطا کی ہے جس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

آپ کا شمار اُن ممتاز حقائق نگار شعرا میں ہوتا ہے جن کے پیشِ نظر صحتِ زبان سلامتِ بیان اور جدتِ طرزِ ادا کے ساتھ ہی ساتھ زندگی کے مختلف پہلوؤں، پاکیزہ خیالات اور لطیف جذبات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنا بھی ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی نومشقی کے عالم میں ایک شعر کہا تھا

اُف ری غفلت برق کا آیا نہ ہم کو کچھ خیال
ہم خیالِ آشیاں میں آشیاں کرتے رہے

یعنی انسان اپنی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے جو بعض اوقات اس کیلئے نزولِ بلا کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اسی خیال کو آپ نے حال ہی میں اِس طرح ادا کیا ہے جو اپنے ماحول کی پوری عکاسی کے ساتھ ہی ساتھ اُس کے حیرت انگیز نتائج کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ ؎

فلک پہ بجلی چمک رہی ہے اور اُس کی زد میں ہیں اہلِ گلشن
پھر اس قدر مطمئن ہیں کیونکہ یہ آشیانے سجانے والے

"آشیاں سجانے" کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں جن سے موجودہ دور کے تنعم کوش نمائش پسند زیب و زینت کے متوالے اور فضول خرچ معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے۔

اِسی طرح آپ نے زر اندوزی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر بھی اپنے دلی کرب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ؎

ہو گئی قوم قناعت کی صفت سے محروم
دل شب و روز اِسی غم میں گُھلا جاتا ہے

تک رہا ہوں میں اُمید کو حسرت سے تسلیم
دیکھیں بھولا ہوا کب لوٹ کے گھر آتا ہے

میں نے یہ چند سطور رواروی میں لکھ دی ہیں ورنہ جی تو یہی چاہتا تھا کہ تسلیم صاحب کے محاسنِ کلام کو تفصیلاً اور دل کھول کر خراجِ تحسین ادا کیا جاتا جس کی اجازت میری علالتِ طبع نے باوجود دلی خواہش نہ دی۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اِس گلدستہ میں سجائے ہوئے پھولوں سے اہلِ ذوق اپنے مشامِ جان کو تازہ کریں گے اور تسلیم صاحب کے مبسوط دیوان کی طباعت و اشاعت کا بے چینی سے انتظار کریں گے۔ جو انشاء اللہ جلد ہی زیرِ طبع سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے والا ہے۔ والسلام

قیس مینائی
کراچی
۱۶ جون ۱۹۸۵ء

قدیم و جدید شاعری کا سنگم

زیر نظر جناب سلیم شاہجہان پوری کے دیوان افکار سلیم کے انتخاب کا مجموعہ ہے جسے ان کے ہونہار شاگرد انجم نقوی نے مرتب کر کے بزم ارباب قلم نواب شاہ کے زیر اہتمام شائع کیا ہے۔

جناب سلیم شاہجہان پوری ایک کہنہ مشق اور ممتاز شاعر ہیں۔ کلام کی پختگی اور بلاغت اس امر کی غماز ہے کہ عمر عزیز دشت شعر و ادب کی سیاحی میں گذری ہے۔ شعر و سخن کی اس پر خار وادی میں نہ جانے کتنی سنگلاخ زمینوں کو اپنی قادر الکلامی کے اعجاز سے پانی کر دیا ہوگا۔ جس کی چند جھلکیاں اس انتخاب میں بھی ملتی ہیں۔ افسوس کہ آپ کا مکمل دیوان میری نظر سے نہ گذر سکا۔ خدا جانے اس منتخب کلام میں کتنے جواہر پارے نظر انداز ہو گئے ہوں گے۔

زیر نظر مجموعہ میں جناب سلیم کا رنگ تغزل اپنی تمام رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہ رنگ حمد، مناجات اور نعت میں بھی بہت دلنشین الفاظ میں موجود ہے۔ مجموعہ کی اولین کاوش کا عنوان ہمارا خدا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے اوصاف سزا و جزا پر تو معرفت اور علم الکلام کے دفتر موجود ہیں۔ لیکن اس سادہ سے مطلع کو دیکھئے، کس قدر سادگی اور صفائی سے صفات خداوندی کے ان دو پہلوؤں کو نظم کیا ہے۔

کبھی کبھی وہ خطا پر سزا بھی دیتا ہے
وفا کریں تو وفا کا صلہ بھی دیتا ہے

غزل کے بعض اشعار مضمون آفرینی اور حسن تخیل کے ساتھ ساتھ فصاحت و شستگی کے شاہکار ہیں مثلاً۔

موجزن ہیں بحر خاموشی میں کتنے احتجاج
لب کی خاموشی کو تم دل میں اتر کر دیکھنا

آئینہ دارِ جلوۂ فطرت ہے کائنات
کتنی حسیں نقاب ہے رخ پر پڑی ہوئی

اس شعر میں تصوف کے مشہور مسئلہ وحدت الوجود کا وصف نمایاں ہے۔

مضامین حسن و عشق تغزل کی جان ہیں لیکن یہ مضامین اب اتنے فرسودہ ہو چکے ہیں کہ ان میں ندرت و تنوع پیدا کرنا غزل گوئی کی دلیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

خود بخود دل میں کوئی شکل ابھر آتی ہے
حسن وہ شئے تو نہیں ہے جسے پرکھا جائے

حسن باطنی و جمال داخلی کے اظہار کا بڑا خوبصورت اسلوب ہے۔

اس حسن باطنی اور حن ازل کی جستجو کو اس طرح نظم کیا ہے

مرا دل ہے کس لئے مطمئن، یہی فکر ہے مجھے رات دن
جو مرے سکون کو لوٹ لے، مجھے اس نظر کی تلاش ہے

اشتیاق دید کی بے تابی کا مضمون کس صفائی اور خوبی سے نظم ہوا ہے

ہم نے ہر راہ میں آنکھوں کو بچھا رکھا ہے
نہیں معلوم کہ وہ شوخ کدھر سے گذرے

عشق کی سرنوشت میں بربادی اور حرماں نصیبی کی انتہا کو کس سادگی سے پیش کیا ہے، جس میں روزمرہ اور زبان کا پورا لطف موجود ہے

آپ نے حالِ دلِ زار نہ پوچھا ہوتا
آپ کے سر کی قسم قابل اظہار نہیں

شراب سے زاہد کی محرومی اور میخانے سے بے دخلی میں لطیف طنز کا نمونہ

اپنا اپنا یہ مقدر ہے جناب زاہد
کوئی میخانہ سے باہر، کوئی میخانے میں

موجودہ غزل حقائق و معارف و کلیات دانش کی آماجگاہ بن چکی ہے جو کہ بطور خاص غزل کو غالب و اقبال کا عطیہ ہے۔ جناب سلیم کے کلام میں بھی یہ کلیہ نگاری بدرجہ اتم موجود ہے جس میں افادی شاعری کے بڑے روشن پہلو ملتے ہیں۔ مثلاً"۔

وہی منزل ہے حل عقدۂ مشکل کی او غافل
جہاں پر حلِ مشکل کا کوئی امکاں نہیں ہوتا

بات تو جب ہے کہ دنیا ہی بنے رشکِ ارم
خواب ہی میں فیصلہ ہو خواب کی تعبیر کا

جب کبھی صحرا کی جانب کوئی فرزانہ گیا
راستہ اس کو دکھانے کوئی دیوانہ گیا

اک ذرا توحید کے مرکز سے ہٹ کر دیکھنا
پوجنا پڑتے ہیں تم کو کتنے پتھر دیکھنا

غرضیکہ جناب سلیم کا یہ مختصر انتخاب پر کیف' محاسن صوری و معنوی کا مجموعہ ہے۔ کلام کی گہرائی اور گیرائی آپ کی پختگی اور بالغ نظری کی بین دلیل ہے۔ امید ہے کہ ان کی مزید نگارشات زیور طباعت و اشاعت سے آراستہ ہو کر اہل ادب کے ذوق ادب کی تسکین و ضیافت وسلیہ بنیں گی۔

سیّد رشید احمد
ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ) نوابشاہ

استاد الاساتذہ ــــــــــــــ حضرت سلیمؔ شاہجہانپوری

۱۶ر جون ۱۹۴۸ء کو رقم الحروف ریاست پٹودی سے نواب شاہ وارد ہوا۔ میرے چچا زاد بھائی سید قاسم حسین زیدی ٹکٹ کلکٹر ریلوے نواب شاہ اسٹیشن پہلے آچکے تھے۔ ان کے مکان پر مقیم ہوا۔ شعروشاعری کا فطری اور موروثی شوق تھا۔ نواب شاہ آکر اہل ذوق کی تلاش شروع ہوئی اتفاقاً" ٹیلی فون ایکسچینج نواب شاہ' سپروائزر کبیر احمد صاحب کی قیام گاہ پر (جو پوسٹ آفس کے احاطے میں تھی) ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں نواب شاہ کے اہل ذوق اور شعراء نے شرکت کی جناب سید محمد میاں صاحب سلیمؔ شاہجہانپوری نے صدارت فرمائی' سیکریٹری مشاعرہ عبدالولی حسنی ٹونکی تھے۔ اس مشاعرے میں مولانا سلیم صاحب کے علاوہ جاوید حسنی' متینؔ بھرت پوری' مہجورؔ' نسیم نصیر آبادی نے بھی شرکت کی تھی۔ مشاعرے کے بعد بزم ادب کی بنیاد ڈالی گئی۔ مولانا سلیمؔ صاحب صدر' جاوید حسنی سیکریٹری' متینؔ بھرت پوری نائب سیکریٹری اور پروفیسر سید محمد سلیم نائب صدر مقرر ہوئے۔

ایک زمانے میں نواب شاہ کے ڈپٹی کمشنر جناب قاضی سچ ڈنو صاحب تھے جو علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور شعروسخن کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ نواب شاہ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس جناب خان صاحب امیرالدین خان ہمدمؔ تھے جو ایک اچھے افسر کے ساتھ اچھے شاعر بھی تھے اور حضرت اکبر الہ آبادی کے شاگرد تھے جب ان حکام ضلع کو بزم ادب نواب شاہ کے قیام کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ازراہ ادب پروری چکرہ بازار میں واقع ایک گردوارہ کے اندر ایک بڑا ہال نما کمرہ بزم ادب کو الاٹ کردیا اور اسی میں لائبریری اور ریڈنگ روم قائم کیا گیا۔ جس کا افتتاح جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب وزیر مہاجرین پاکستان نے کیا تھا۔ پندرہ روزہ

مشاعرے منعقد ہونے لگے جس میں مصرعہ طرح دیا جاتا تھا اور شعراء کرام اس مصرعہ پر طبع آزمائی فرماتے تھے۔ مقامی شعراء مولانا سید محمد میاں سلیم شاہجہانپوری سے مشورہ ءِ سخن کرتے تھے مولانا سلیم حضرت دل شاہجہانپوری اور حضرت حافظ مختار شاہجہانپوری شاگردان عزیز حضرت امیر مینائیؒ کے فارغ الاصلاح شاگرد ہیں۔ اور علم عروض معانی و بیان پر استادانہ قدرت رکھتے ہیں۔ نہایت منکسر مزاج اور شریفانہ اخلاق و عادات کے مالک ہیں مزاج میں درویشی کا عنصر زیادہ ہے اس لئے انھوں نے دیگر اساتذہ کی طرح باقاعدہ شاگردوں کا رجسٹر نہیں بنایا بلکہ جو کوئی مشورہ کرنے آیا اسے فوری طور پر صحیح مشورہ دے دیا۔ مولانا سلیم کی نظر شعرو سخن کے محاسن و معائب پر فوری پڑتی ہے بلکہ درست تو یہ ہے کہ شعر کی خوبی سے پہلے شعر کی خامی پر نظر پڑتی ہے اور شعر کو صوری و معنوی خوبیوں سے پوری طرح آراستہ کر دیتے ہیں۔ راقم الحروف کے علاوہ نواب شاہ کا کوئی بڑے سے بڑا شاعر بھی ایسا نہیں ہوا کہ کبھی نہ کبھی اس چشمہ ءِ فیض سے فیض یاب نہ ہوا ہو۔ اس لئے اگر مولانا سلیم صاحب کو نواب شاہ کی نسبت سے جگت استاد کہا جائے تو بالکل بجا ہے۔

حضرت امیر مینائی بحیثیت غزل گو اور نعت گو شاعر کے دنیائے ادب میں لازوال شہرت کے مالک ہیں ان کے شاگرد رشید اعتبار الملک حکیم الشعراء لسان الدہر حضرت حکیم ضمیر حسن خان صاحب دل شاہجہانپوری اپنی متانت و سنجیدگی کی وجہ سے اپنے ہم عصر اساتذہ میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ ان کے اشعار میں رکاکت اور ابتذال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا اس لئے ان کی غزل گوئی سنجیدہ غزل گوئی کے نام سے مشہور تھی۔

حضرت دل اپنے تلامذہ کے کلام میں بھی متانت اور سنجیدگی کا خیال رکھتے تھے۔ اُس وقت عابد شاہجہانپوری مضطر شاہجہانپوری، عبرت صدیقی بریلوی، دل محمد فضا جالندھری اور مولانا سلیم شاہجہانپوری کا شمار حضرت دل شاہجہانپوری کے خوش گو تلامذہ میں کیا جاتا تھا۔

۱۹۳۶ء میں رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور نے اپنے رسالے کا دل نمبر شائع کیا تو سید اشفاق حسین مراد آبادی نے حضرت دل شاہجہانپوری کے خوش گو تلامذہ کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم فرمایا جس میں سید صاحب نے مولانا کا ذکر اس طرح فرمایا۔

حضرت دل کے شاگرد سلیم شاہجہانپوری کے چند منتخب اشعار

وحشت انگیز ہے جوش غم پنہاں میرا
آج ثابت نہیں رہنے کا گریباں میرا
اللہ اللہ یہ خوں نابہ فشانی اے چشم
بھر دیا لالہء خوش رنگ سے داماں میرا
چار تنکے ہی پسند آئے جلانے کے لئے
برق نے پھونک ہی ڈالا سروساماں میرا
دنیائے حسن تک نہ رسائی ہوئی کبھی
طے کرسکے نہ ہم کبھی میدان آرزو

گویا ۱۹۳۶ء میں بھی مولانا سلیم صاحب کے کلام میں استادانہ پختگی پائی جاتی تھی اور دل اسکول کی سنجیدگی اور متانت اُس پر مستزاد۔

کہاں ۱۹۳۶ء اور کہاں نصف صدی گذرنے کے بعد ۱۹۸۷ء ۔ مولانا کی مشق سخن بلا مبالغہ پچپن ساٹھ سال کی ہے اور انھوں نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ شعران کی شاعری پر صادق آتا ہے۔

ہم نے زمین شعر کو زرخیز کردیا
جو نخل بودیا وہی گل ریز کردیا

سلیم صاحب کے کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک مسلم الثبوت شاعر کے کلام میں ہونی چاہئیں۔

سلیم صاحب کے اُستادِ اول اور عمِّ محترم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری جو شاہجہانپور کے مشہور شاعر کوکب شاہجہانپوری کے استاد تھے وہ اِس پائے کے شاعر تھے کہ انھوں نے اپنی نوعمری کے زمانے میں جب ایک واسوخت لکھا تو اس دور کے اساتذہ نے ان کو دل کھول کر داد دی اور حضرت داغ دہلوی نے قطعہء تاریخ لکھا جس کا تاریخی مصرعہ یہ تھا "عجب لکھا جلا کے جل کے واسوخت"۔ حضرت مختار بہت جلد اپنے مذہبی مشاغل میں مصروف ہوگئے اور شاعری کو ثانوی حیثیت دے دی ورنہ ان کا مقام کسی طرح حضرت جلیل مانکپوری' جانشین امیر مینائی سے کم نہیں ہوتا اور وہی جانشین امیر مینائی ہوتے۔ مختار صاحب نے اپنے بھتیجے اور شاگرد مولانا سلیم صاحب کو شعرو شاعری اور علم عروض سبقاً سبقاً سکھایا

اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی تمام قابلیت شعرو سخن ان میں منتقل کردی۔ اگرچہ اپنی مذہبی مصروفیت کی وجہ سے انھوں نے سلیم صاحب کو اپنے استاد بھائی حضرت دل شاہجہانپوری کے سپرد کردیا لیکن مختار صاحب کی حیات تک سلیم صاحب اُن سے بھی برابر فیض پاتے رہے۔ حضرت مختار اور حضرت دل کی تربیت کی وجہ سے سلیم صاحب بہت جلد فارغ التحصیل ہوگئے اور ان کا شمار تقسیم ہند سے قبل اساتذہء شعرو سخن میں ہونے لگا تھا۔

مجھے یہ خبر سن کر انتہائی مسرت ہوئی کہ نواب شاہ میں عزیزی انجم نقوی اور فہیم شناس کاظمی جو حضرت مولانا کے سعید الفطرت شاگرد ہیں اپنی سعادت مندی کا ثبوت دے رہے ہیں اور اپنے اُستاد محترم کے متعلق ایک مجموعہ "غبار کارواں" مرتب کر رہے ہیں جس میں اس دور کے مقتدر ادباء اور شعراء کی آراء مولانا صاحب کے متعلق جمع کر رہے ہیں حقیقت میں یہ وہ فرض تھا جو نواب شاہ کے اہل ذوق اور مولانا سلیم صاحب کے سینئر شاگردوں پر عائد ہوتا تھا۔ لیکن یہ رتبہء بلند ان نئے شاگردوں کو ملنا لکھا تھا اسی لئے وہ ہر طرح کی تحسین کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے استاد سے عقیدت اور محبت کا فرض ادا کردیا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک مولانا سلیم صاحب کو صحت اور درازیء عمر عطا فرمائے اور کم از کم میری زندگی تک تو یہ چشمہ ء فیض جاری رہے "ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔"

مولانا سلیم صاحب کے متعلق میں پیشتر ازیں اپنے اس مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ وہ نام ونمود سے بے پرواہ اور درویشانہ صفات کے حامل ہیں لیکن انکی پچپن سال خدمات شعروادب کے اعتراف کے طور پر انھیں استادالاساتذہ' فخرالمتاخرین' ممتاز الشعراء' ادیب الملک' کے خطابات دینا گویا حق بہ حق دار رسید کے مصداق ہے۔ میں نواب شاہ کی ادبی انجمنوں کو جنھوں نے یہ خطابات تجویز فرمائے ہیں مبارک باد دیتا ہوں اور حضرت استاد سلیم شاہجہانپوری کی خدمت میں اپنی طرف سے بھی جذبات عقیدت و محبت پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر سید سبط حسن فاضل زیدی (شاہ پوری)
استاد شعبہء اردو۔ سندھ مسلم سائنس کالج
سندھ مدرستہ الاسلام۔ شاہراہ لیاقت۔ کراچی

اظہارِ خیال

محترم سلیم شاہجہان پوری صاحب کے کلام کا پہلا مجموعہ عنقریب منصۂ شہود پر آنے والا ہے اس مجموعہ کلام کا ایک مختصر سا انتخاب "بکھرے ہوئے موتی" کے نام سے انجمن ارباب قلم نواب شاہ نے شائع کیا ہے۔ لوگ کسی معمر شاعر کی تعریف کرتے ہوئے اکثر کہا کرتے ہیں کہ وہ کہنہ مشق ہیں۔ ہمارے خیال میں کہنہ مشقی میں وقت کی طوالت کا ذکر تو ہو جاتا ہے لیکن شاعری کی اقدار کا نہیں۔ اس لئے باوجود اس کے کہ سلیم صاحب ایک لمبے عرصے سے شعر کہہ رہے ہیں انہیں صرف کہنہ مشق کہہ کر بات مکمل نہیں ہوتی۔ ان کے اشعار کی اصل خصوصیت یہ نہیں کہ وہ دیر سے کہے جا رہے ہیں بلکہ یہ کہ ان میں گہرائی ہے اور وہ اپنے آپ میں ڈوب کر اور ماحول کے گہرے مطالعہ کے پیش نظر کہے گئے ہیں۔ ان کے اشعار میں زندگی کے مختلف رنگ ملتے ہیں اور یہ سب رنگ دلکش ہیں۔

آج کل پرانی اقدار کو ساتھ لے کر چلنا بہت مشکل ہے لیکن جو شخص پرانی اقدار کو بھی ساتھ رکھے اور نئے انداز سے بھی بیگانہ نہ رہے وہ آئندہ کے لئے اپنا مقام پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے سلیم صاحب انہیں شعراء میں سے ہیں۔ قیس مینائی صاحب جو خود ایک بہت اچھے شاعر ہیں سلیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں... اور بالکل ہمارے دل کی بات کہتے ہیں۔

"آپ کا کلام معنوی پیچیدگی سے معرا، موثر اور دلنشین ہے آپ شاعری برائے شاعری کے قائل نہیں بلکہ آپ کا کلام اعلیٰ و ارفع مقاصد کا ایک ایسا مصفیٰ و مجلّٰی آئینہ ہے جس میں پاکیزہ اور مقصدی زندگی بسر کرنے کے تمام مراحل کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے روایت کے دامن کو کلی ہاتھ سے نہیں چھوڑا لیکن جدت بیان اور طرز ادا کے انوکھے پن سے آپ نے اپنے کلام میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک پیدا کر دی ہے۔

آپ کے کسی شعر یا کسی مصرعہ سے بھی یاسیت و قنوطیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ سارے کا سارا کلام رجائیت کا آئینہ دار ہے۔ قدرت نے آپ کو شاعرانہ بصیرت کے ساتھ ساتھ فنی مہارت بھی عطا کی ہے جس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دئے ہیں۔"

"بکھرے ہوئے موتی" شاعر کا انتخاب ہے۔ اس انتخاب میں سے بھی چند شعر منتخب کئے جائیں تو انتخاب دو آتشہ ہو جائے گا۔ ہمارا انتخاب ذیل میں درج ہے۔

وہ کشتِ مردہ کو دیتا ہے زندگی کی نوید
خزاں کے دور کو حکمِ فنا بھی دیتا ہے

ہر منتشر نگاہ کو محور نصیب ہو
ہر قلبِ مضطرب کو شکیبائی بخش دے

موجزن ہیں بحر خاموشی میں کتنے احتجاج
لب کی خاموشی کو تم دل میں اُتر کر دیکھنا

نظر نظر میں شرارت' نفس نفس میں فساد
یہ روپ کون سا بدلا ہے آج دنیا نے

حاصل ہیں تم کو سارے جہاں کی مسرتیں
یہ کیا کہ ایک غم بھی گوارا نہ کر سکو

تمام عمر رہا تیرا انتظار اے دوست
یہ تیرے آنے میں کتنے زمانے لگتے ہیں

نگہِ رسا' غمِ دلکشا' دلِ معتبر کی تلاش ہے
میں ہوں آپ اپنی ہی آرزو مجھے اپنے گھر کی تلاش ہے

بات تو جب ہے کہ دنیا ہی بنے رشکِ ارم
خواب ہی میں فیصلہ ہو خواب کی تعبیر کا

اہلِ دانش تو فقط نام و نشاں تک پہنچے
تیرے دیوانے ذرا دیکھ کہاں تک پہنچے

ہر نفس موت سے بچنے کے ٹھکانے مانگے
اور ادھر تیر قضا اپنے نشانے مانگے
یہ ریاستیں، یہ امارتیں، یہ حکومتیں، یہ وزارتیں
مگر اُن کا اور مقام ہے کہ جو اِن سے بچ کے نکل گئے
الاماں عشق کی منزلیں
ہم سفر کتنے کم رہ گئے

نسیم سیفی (ایم اے)

شاعر شیریں سخن

سلیمؔ صاحب برصغیر پاک و ہند کے ایک نامور اور کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں میری ملاقات ''جیکب آباد'' کے کل پاکستان مشاعرے میں ہوئی۔ ایک غزل گو شاعر جو ایک ایثار کا پیکر اور محبت اور خلوص کا مجسمہ ہے۔ مل کر ایسا محسوس ہوا کہ یو پی انڈیا کے کسی شہری سے ملاقات ہوگئی۔ وہی پر تکلف گفتگو وہی دہلی اور آگرے کا ماحول یاد آ گیا۔ سلیمؔ صاحب ایک منفرد انداز فکر کے شاعر ہیں اور رنگ قدیم کے دوش بدوش رنگ جدید میں بھی شعر کہتے ہیں اور پسند کئے جاتے ہیں۔ نواب شاہ کے اکثر مشاعروں میں سلیمؔ صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں نواب شاہ کی ادبی دنیا اور شعری محفل میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ نواب شاہ میں سب سے پہلی لائبریری (کتب خانہ) اور دار المطالعہ کے قیام کا سہرا بھی سلیمؔ صاحب کے سر ہے۔ نواب شاہ کے کل پاکستان مشاعروں کے بانی اور روح رواں ہیں۔

سلیمؔ صاحب حضرت مختار شاہجہانپوری کے ارشد تلامذہ میں ہیں جو ایک منفرد رنگ کے استاد تھے۔ سلیمؔ صاحب موجودہ دور کے کسی بھی شاعر سے کم درجہ نہیں رکھتے۔ سلیمؔ صاحب کے درجنوں شاگرد ہیں جو ادبی دنیا میں اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں۔ سلیمؔ صاحب ایک پُر گو زود گو اور خوش فکر شاعر ہیں اور جب کہتے ہیں تو خوب کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کی شاعری کی مستحکم دلیل ہیں۔ سلیمؔ صاحب نے غزل، نظم، رباعی، قطعہ، قصیدے ہر صنف میں شاعری کی ہے۔ آپ کا کلام صاف ستھرا بڑا فصیح و بلیغ اور سلیس ہے۔ آپ کے کلام میں زندگی کی وہ تمام قدریں ملتی ہیں جو انسانیت کے قریب تر ہیں۔ آپ کا کلام رجائیت کے ساتھ ساتھ روشن خیالی کی دلیل بھی ہے۔

سلیمؔ صاحب کا شمار پاکستان کے مشاہیر شعرا میں ہوتا ہے۔ اللہ سلیمؔ صاحب کو عمر خضر دے اور

ادبی دنیا میں خادم ہو کر مخدومیت کے درجے پر پہنچیں۔ سلیمؔ صاحب ایک حقیقی شاعر اور سچے سخنداں ہیں میں صرف چند اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔

سلیم صاحب کیا خوب کہتے ہیں۔ سے

کبھی کبھی وہ خطا پر سزا بھی دیتا ہے
وفا کریں تو وفا کا صلہ بھی دیتا ہے

پھول کی صورت مہک اٹھے گا ہر خارِ الم
تم غمِ دنیا کو سینے سے لگا کر دیکھنا

نظر نظر میں شرارت نفس نفس میں فساد
یہ روپ کون سا بدلا ہے آج دنیا نے

میں خارِ خشک سہی، سبزۂ حقیر سہی
گلوں کی بزمِ مسرت میں رہ کے آیا ہوں

آئینہ دار جلوۂ فطرت ہے کائنات
کتنی حسیں نقاب ہے رخ پر پڑی ہوئی

کس درجہ دلخراش تھا لمحہ فراق کا
سکتہ سا ہوگیا تھا کہ تڑپا نہ میں نہ تو

تمام عمر رہا تیرا انتظار اے دوست
یہ تیرے آنے میں کتنے زمانے لگتے ہیں

چاند کوئی ادھر سے گزرا ہے
کتنی روشن ہے رہگزر دیکھو

ہم نے ہر راہ میں آنکھوں کو بچھا رکھا ہے
نہیں معلوم کہ وہ شوخ کدھر سے گزرے

ہے محو خد و خال ہر اک دیکھنے والا
آئینہ ء عالم میں وہ تصویر جڑی ہے

جانے والے گردِ دامن جھاڑ کر چلتے بنے
لوح دل پر نیک و بد کا نام لکھا رہ گیا

اک ذرا توحید کے مرکز سے ہٹ کر دیکھنا
پوجنا پڑتے ہیں تم کو کتنے پتھر دیکھنا

جس نے کچھ دن شاگردی کی
وہ اپنا استاد ہے سائیں

برگ یوسفی

ایک اُستاد کامل

نام سید محمد میاں، تخلص سلیم۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۱۱ء کو شاہجہان پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی اسکول شاہ جہاں پور سے میٹرک، الٰہ آباد سے منشی و منشی کامل "فارسی" اعلیٰ معیار اردو اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات پاس کئے۔ تقسیم ہند کے بعد نوابشاہ کو مستقل سکونت کے لئے منتخب کیا۔ اور محکمہ تعمیر عامہ سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۶۹ء سے سبکدوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

آپ ایسی غزل کو جان شاعری سمجھتے ہیں جس میں کوئی پیام و افادیت ہو، اعتبار الملک حضرت دل شاہجہان پوری سے آپ نے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ کا کلام پاکستان کے معروف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکا ہے۔ "افکار سلیم" اور "گلچیں" کے نام سے دو دیوان مرتب ہیں۔ عروض اور فن پر مکمل دستگاہ رکھتے ہیں۔ اشرف شاہجہان پوری نے "مختصر تاریخ ادب اردو" اور "گلدستہ خط شکست" میں آپ کی علمیت اور استادی کا ذکر کیا ہے۔ ادبی دنیا میں آپ سلیم شاہجہانپوری کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

آرزو راہ محبت میں نہ ہوگی مایوس
ہاں یہ ممکن ہے کہ تھک جائے تو ستا لے گی

ہم نے ہر راہ میں آنکھوں کو بچھا رکھا ہے
نہیں معلوم کہ وہ شوخ کدھر سے گذرے

بوئے گل، رنگ چمن، موج صبا، نور قمر
چھپنے والے کا ہر انداز نیا ہوتا ہے

سلسلہ ٹوٹ کے جڑتا نہیں سانسوں کا سلیمؔ
موت سمجھو جو کوئی فرض قضا ہوتا ہے

ترے رہ نوردِ غم کا بھی عجیب حال دیکھا
کبھی مطمئن ہے گر کر کبھی شاد ہے سنبھل کے

پھر اس لب خاموش کو کم دوں پھول سے تشبیہ
جس دم یہ کلی جوش تکلم سے چٹک لے

امیدوار آج جہاں سے گذر گیا
بیٹھے ہیں آپ وعدۂ فردا لئے ہوئے

پہلی نظر میں دل کی تہوں میں اُتر گیا
چہرہ تو بالیقین کسی اجنبی کا تھا

زلفِ گیتی سنوار کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

یوں گذرتا ہے صبا ہو جیسے
ایسا لگتا ہے خفا ہو جیسے

راحت طلبی راس کب آئی ہے کسی کو
تو اپنی تمنا کو ذرا چھان پھٹک لے

اظہار قریشی
ایم اے

تحریر :- ناصر ساگری۔ ایم۔ اے
نواب شاہ

"اے آفتابِ علم وادب تیری عظمت کو سلام"

ہر چند کہ میں اس لائق تو نہیں ہوں کہ استادِ محترم گرامیٔ قدر جناب سلیم شاہجہانپوری کی شان کے شایاں کچھ سطور قلم بند کر سکوں تاہم کچھ نہ کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میں ۱۹۶۸ء میں استادِ گرامی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوا۔ مجھے ان سے کیا کچھ ملا۔ بس یوں کہیئے کہ اِک متلاشی منزل کو منزل ملی ایک تشنہ لب کو لبِ جو مل گیا۔ ایک ذرے کو صیقل کر کے اک ستارے کی طرح منور کر دینا ایک استادِ کامل ہی کا کام ہے۔ یہ ایک کھُلی حقیقت ہے کہ موجودہ عہد میں حضرت استادِ گرامی دنیائے شعر و سخن اور علم و ادب میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک درخشاں آفتاب ہے۔ ایک بحر بیکراں ہیں۔ دریائے گہرباب ہیں۔ جسکا فیض عام ہے۔ آپ کی قادر الکلامی، بزرگی اور سخن شناسی کے ملک کے بیشتر اساتذہ معترف ہیں۔ اور اکثر اپنا کلام برائے نظر ثانی پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

استادِ گرامی نیک طبیعت، نیک سیرت، پیکر خلوص و مروت احباب کے معترف دشمنوں پر عفوو در گزر، شریں کلام ایسے کہ جو شخص ایک بار ملے آپکا گرویدہ ہو کر ہزار جان سے دوبارہ ملنے کے لئے دوڑا چلا آئے، دنیائے شعر و ادب ہی کیا زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ہر دلعزیز شخصیت ہیں۔ آپ کے پاس ہر وقت احباب کا میلہ لگا رہتا ہے۔ دوست بھی معترف، دشمن بھی معترف۔ آپکے دل میں علم و حلم کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا ہے۔ ہمہ وقت تشنہ لب تشنگی بجھا رہے ہیں۔ آپ کے دل میں محبت کی ایسی شمع روشن ہے جس سے ہزاروں دل منور ہوئے اور اپنی ضو فشانی سے دوسروں کے دلوں کو منور کرتے ہیں۔

تقریباً پندرہ سال سے میں جناب کے فیض سے مستفیض ہو رہا ہوں اور کچھ بے تکلفی کی حد تک گھُل مل گیا ہوں۔ استادِ محترم بھی اپنے عزیزوں کی طرح محبت اور خلوص سے پیش آتے ہیں۔ لہذا جہاں تک میرا علم ہے کہ جب آپ شعر لکھنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں تو غزلوں پہ غزلیں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ آپ ایک بو جستہ اور زود گو شاعر ہیں۔ آپ کا کلام بڑا سلیس و سادہ اور شگفتہ ہے۔

حقیقت پسندی اور اصلاح معاشرہ آپ کے خاص موضوع ہیں۔ آپ کے ذخیرۂ کلام کو اگر یکجا کیا جائے تو مختلف اقسام کے کئی ضخیم دیوان مرتب ہونگے۔ آپ کے یہاں ہر اصنافِ سخن میں غزلیں، نظمیں، مسدس، مخمس، قصیدے، قطعات، رباعیات وغیرہ کثیر التعداد میں موجود ہیں۔ آپ حضرات مختصر انتخابِ کلام "بکھرے ہوئے موتی" سے اُنکی قادر الکلامی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہر شعر اُنکی شخصیت کا آئینہ دار ثابت ہوگا۔

"اے آفتابِ علم وادب تیری عظمت کو سلام"

تعارف

یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ محترم سلیم شاہجہانپوری اپنے مجموعہ ء کلام "گرد کارواں" جسکے لئے اہل ذوق بڑی بے چینی سے منتظر تھے طبع کرا رہے ہیں۔

میں موصوف کے بارے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا شمار اردو کے بلند پایہ ممتاز شعراء میں ہوتا ہے وہ برصغیر پاک و ہند کے ایک نامور اور کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں انہیں اردو زبان سے والہانہ محبت اور شعرو سخن سے قلبی لگاؤ انتہائی درجہ کا ہے۔جہاں تک ان کی قادر الکلامی کا تعلق ہے ان کے ہمعصر تمام شعراء اس بات کے معترف ہیں کہ ان کی شاعرانہ بصیرت شعر کی سکی یا فنی خامی کو پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتی ہے اور پھر ان کی فنی مہارت اصلاح کے جوہر دکھاتی ہے فن تحقیق و تنقید میں ان کو اپنے ہمعصر شعراء اور اساتذہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔برصغیر پاک و ہند میں ان کے شاگرد کافی تعداد میں ہیں جن میں سے بعض خود استاد کا درجہ حاصل کر چکے ہیں ان کی فکری گہرائی کا اندازہ ان کے درج ذیل اشعار سے بخوبی لگایا جسکتا ہے۔

اک ذرا توحید کے مرکز سے ہٹ کر دیکھنا
پوجنے پڑتے ہیں تم کو کتنے پتھر دیکھنا

یہ اہل فکر، یہ اہل نظر، یہ فرزانے
خرد کی کون سی منزل میں ہیں خدا جانے

اب سوز لحن میں ہے نہ آواز میں گداز
فن کار ہیں خموش ہر اک فن اداس ہے

ہمت ہو تو بحر عالم میں موجیں ساحل بن جاتی ہیں
جب ہمت دل ہی ساتھ نہ دے ساحل بھی کنارہ کرتے ہیں

وہ تشبیہوں اور استعاروں کو بڑی فنکارانہ مہارت کے ساتھ اپنے شعروں میں استعمال کرتے ہیں نرم ملائم اور حسین الفاظ و تراکیب اور انوکھی تشبیہات سے کام لے کر جذبے اور تخیل میں ایسا رنگ بھرتے ہیں کہ کلام میں جادو کا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔
میں پاک پروردگار کے حضور تہہ دل سے دعاگو ہوں کہ محترم سلیم شاہجہانپوری کو طول عمر عطا فرمائے اور وہ اپنے قلم سے اہل ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کرتے رہیں۔

(پروفیسر) رئیس نقوی
نواب شاہ

مخلصی و مکرمی سلیم صاحب!
السلام علیکم۔ گرامی نامہ ملا شکریہ۔
لفافے پر میرا جو پتہ لکھ کر آپ نے خط بھیجا ہے وہ خط مجھے مل گیا۔ یہ پتہ درست ہے۔
آپ اپنا مجموعہ "شہر دعا" اسی پتے پر ارسال فرمادیں۔ میں بشوق اس کا مطالعہ کروں گا۔ اس خلوص و کرم کے لئے ممنون ہوں۔

محشر بدایونی

مینائی اسکول کا ایک عظیم شاعر

یہ سن کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے کہ محترم جناب سلیم شاہجہان پوری اپنا مجموعہ ء کلام "گرد کارواں" کے عنوان سے طبع کرا رہے ہیں۔

میرے لئے یہ بات باعثِ شرف ہے کہ استادِ محترم جناب سلیم شاہجہان پوری جن کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں" کے لئے تعارفی کلمات تحریر کروں محترم سلیم شاہجہان پوری کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے سے اپنی شاعری کے ذریعے سوئی ہوئی انسانیت کو جگانے کی بھرپور کوششوں میں مصروف ہیں۔ آپ کے کلام میں ملائمت، سلاست اور پختگی ہے۔ بیشتر کلام اشاعت پذیر ہو کر شائقین ادب اور شیدایان غزل سے داد فصاحت و بلاغت حاصل کر چکا ہے نواب شاہ کے ادبی حلقوں میں آپ کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں آپ ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کا شمار ادبی حلقوں میں صف اول کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کو اردو زبان سے والہانہ محبت اور شعر و سخن سے قلبی لگاؤ ہے۔ آپ کے درجنوں شاگرد ہیں جن میں بہت سے فارغ التحصیل اور خود استادی کی منزل میں قدم رکھ چکے ہیں۔ جناب سلیم شاہجہان پوری حضرت علامہ مختار شاہجہان پوری کے ارشد تلامذہ میں شامل ہیں جو حضرت امیر مینائی کے جلیل القدر تلامذہ کی صف اول میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ سلیم صاحب نے اپنے استاد سے بہت کچھ سیکھا۔ فن کی تحقیق اور تنقید کے لحاظ سے آپ کا مقام اپنے ہمعصر شعراء اور اساتذہ میں کسی سے کم نہیں ہے۔ پاکستان کے مختلف جرائد اور رسائل میں آپ کا کلام باقاعدگی سے چھپتا رہتا ہے جس کا مطالعہ میں بڑے شوق اور انہماک سے کرتا رہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ محترم سلیم شاہجہان پوری کے اس مجموعے سے جو طبع کے آخری مراحل میں ہے۔ اہل ذوق استفادہ کریں گے

سید نثار حسین نثار زیدی
نواب شاہ

ایک شام سلیم شاہجہانپوری کے نام

محترم جناب صدر اور تمام معزز حاضرین محفل

عصمت ڈاھری کا سلام قبول فرمائیں۔ آج کی یہ شام کتنی حسین کتنی باوقار یہاں کیسی کیسی پُروقار شخصیتیں جمع ہیں اگرچہ اس وقت میں آپ لوگوں سے تقریباً ۱۰۰۰ ایک ہزار میل دور ہوں ! لیکن قلبی اور روحانی رشتہ سے انسانیت اور شاعر برادری کے رشتہ میں اس وقت بھی سب کے درمیاں ہی موجود ہوں۔

آج کی یہ شام ایک ایسی شخصیت کی منائی جارہی ہے جو کہ ہر لحاظ سے بہترین صلاحیتوں کا مالک ہے کردار میں گفتار میں رہن سہن میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں لباس میں اخلاق میں غرض کہ فی زمانہ اب چند ہی ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو مکمل شائستگی کا نمونہ نظر آتے ہیں جیساکہ سلیم شاہجہانپوری کی پروقار ودل آویز شخصیت۔

جناب سلیم شاہجہانپوری ایک مکمل شاعر، ایک مکمل انسان اور مکمل اخلاق کا پیکر ہیں میں اپنے بچپن سے لیکر آج تک اُن سے اچھی طرح واقف ہوں ان کا رویہ یہ ہی ہے سدا سے دھیمی دھیمی آواز جھکی جھکی نظریں گفتگو کرتے ہیں تو گویا انکے الفاظ و آواز سے موتی جھڑتے ہیں یہ ہمارے بزرگ شاعر ہیں اور پاکستان بننے کے بعد سے تقریباً عمر کا بہت بڑا حصہ یہاں گزارا ہے نواب شاہ میں لہذا میں تو یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ سلیم شاہجہانپوری سے زیادہ سلیم نواب شاہی کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے یہاں سندھ اور نواب شاہ میں اردو زبان کے لیئے بہت خدمت کی ہے اُردو کیونکہ قومی زبان بھی ہے نواب شاہ کے رہنے والے ہر فرد اردو سے دلچسپی رکھتا ہے پڑھتا ہے بولتا ہے یہی اردو زباں سے محبت رکھنے کا بھرم ہے اس لیئے میں یہ بڑے فخر سے کہونگی کہ سلیم شاہجہانپوری صاحب نے سب سے زیادہ اپنے کام سے اپنی زباں سے اور اپنی شاعری سے اردو زباں کی بڑی خدمت کی ہے۔

ان کی ان خدمات اور جدوجہد کے لیئے میں ان کو سلام کرتی ہوں میں تو نہ بڑی شاعرہ ہوں نہ بڑی ادیبہ نہ ہی کوئی بڑی اردو دان ہوں جو کچھ بھی ہوں ہلکے پھلکے الفاظ کے ساتھ اپنے دل کی آواز کی ترجمانی کررہی ہوں۔

جناب صدر اور معزز حضرات اب ذرا ان کی شاعری کی طرف آئیں یوں تو ان کی ہزاروں کی تعداد میں غزلیں نظمیں حمد اور نعتیں شائع ہوئیں ہیں۔ لیکن میں اس وقت جو چند الفاظ کہنا چاہ رہی ہوں یہ ہیں ان کی کتاب بکھرے موتی سے میرا انتخاب۔

موتی جو بکھر گئے ہاں ان کے الفاظ خیالات ان کے اشعار کے موتی ہیں جو جا بجا بکھرے بکھرے نظر آتے ہیں بکھر کر چمک دمک رہے ہیں اپنا حسن اپنے روشن کرنوں سے چاندنی پھیلا رہے ہیں۔

جناب صدر یہ چند اشعار ہیں جو مجھے متاثر کر رہے ہیں۔

انسان کو حاصل ہو اگر نور بصیرت
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے ذات کا عالم

چند دن اپنی طبیعت پہ مجھے ضبط رہا
وہ سمجھتے رہے اس کو کوئی آزار نہیں

آپ نے حالِ دلِ زار نہ پوچھا ہوتا
آپ کے سر کی قسم قابل اظہار نہیں

مناجات۔

اٹھتے رہیں دعا کے لئے تیرے سامنے
دست طلب کو اتنی توانائی بخش دے

ہر منتشر نگاہ کو محور نصیب ہو
ہر قلب مضطرب کو شکیبائی بخش دے

اب میں جناب صدر جناب مہمان خصوصی جناب سلیم شاہجہانپوری اپنے تمام بھائیوں اور حاضرین مجلس سے اجازت طلب کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ میں آپ سب سے اس سے بھی زیادہ بہتر پروگرام میں جلد آپ سب سے ملوں۔

ناچیز مخلص آپ کی
بہن عصمت ڈاھری

سلیمؔ شاہجہانپوری۔ ایک عظیم شاعر

جناب سلیمؔ شاہجہانپوری کی زیر نظر کتاب "بکھرے ہوئے موتی" نے آپ کی شخصیت میں جو عظیم شاعر اور نقاد پنہاں تھا اسے اہل علم و دانش سے متعارف کرانے کا اہم فریضہ ادا کیا ہے آپکی شاعری میں وہ تمام جوہر بکمال آرائش جمال پائے جاتے ہیں جو ایک عظیم شاعر کی تخلیقات کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ الفاظ و معانی پر آپ کی گرفت حد درجہ مضبوط ہے یہی وجہ ہے کہ قاری بکھرے ہوئے موتیوں میں بھی تسبیح میں پروئے ہوئے دانوں والی ترتیب محسوس کرتا ہے۔ نئی نئی تشبیہات اور تمثیلات بھی آپ کے یہاں دیکھنے کو ملیں۔ آپ کے کہنے کا انداز نہ اتنا مفکرانہ ہے کہ قاری سوچتا رہ جائے اور نہ ہی اتنا سہل ہے کہ ہر عام و کم علم اس سے لطف اندوز ہوسکے۔ آپ کی شاعری کا مزاج نہایت نرم خو ہے آپ کے کلام میں نہ تو جذبات کا تلاطم ہے اور نہ ہی عشق مجازی کا مظاہرہ، ہجر و وصال کے مضامین آپ کے کلام میں خال خال پائے جاتے ہیں اور وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ۔ غرض کہ کہیں بھی کوئی تشبیہ یا تمثیل مبالغہ پر مبنی نہیں۔ آپ کے کلام کے اندر ایک تحریک پائی جاتی ہے اور یہ تحریک قاری سے جذبہ ایثار، قربانی، ہمدردی اور اخوت طلب کرتی ہے۔ آپ ہی کے شعر پر اس تبصرہ کو ختم کرتا ہوں۔

آتش شوق سے ہے گلشن ہستی میں بہار
آگ لگتی ہے تو یہ باغ ہرا ہوتا ہے

سید فیض الحسن شوق ہمدانی
نواب شاہ

ایک قد آور ادبی شخصیت

شاعری در حقیقت انسان کی داخلی اور خارجی اس کیفیت کا نام ہے جو اس پر گذرتی ہے وہ اشعار کی صورت میں کہہ کر اپنے دل کی کیفیت بیان کردیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محبت ہی دراصل غزل کہلاتی ہے اور غزل میں ہی اس شاعر کی محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھ جناب سلیمؔ شاہجہان پوری کی شاعری میں ملتا ہے ان کا مجموعہ کلام "افکار سلیم" ہمارے سامنے ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غم جاناں سے زیادہ غم دوراں سے متاثر ہیں۔ وہ اپنے مجموعہ میں جگہ جگہ اپنے معاشرے کی اصلاح کرتے نظر آتے ہیں مثلاً"۔

حاصل ہیں تم کو سارے جہاں کی مسرتیں
یہ کیا کہ ایک غم بھی گوارا نہ کرسکو

سلیمؔ شاہجہان پوری کا شمار مستند اساتذہ کرام میں ہوتا ہے آپ نے اپنی تمام عمر ادب کے لئے وقف کردی ہے ان کی شخصیت نواب شاہ کی ادبی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ادب کے حوالے سے نواب شاہ میں اس وقت سلیمؔ شاہجہان پوری کے قد کی کوئی بھی ادبی شخصیت نہیں ہے کیوں کہ ان کے نہ صرف نواب شاہ میں بلکہ برصغیر پاک و ہند میں بے شمار شاگرد ہیں۔ آپ ایک قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ جب شعر کہنے بیٹھتے ہی تو صرف ذرا سوچتے ہیں، کہ دیکھتے دیکھتے آپ کے ذہن پر اشعار اس طرح امنڈ آتے ہیں کہ گویا وہ شعر نہیں کہہ رہے بلکہ ان پر نازل ہو رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے بے شمار اشعار الہامی کیفیت لئے ہوئے ہوتے ہیں مثلاً"۔

ساتھیو سج رہا ہے تختۂ دار
ہم چلے تم اِدھر اُدھر دیکھو

مختصر لفظ محبت کے ہیں معنی لیکن
اس کی تفصیل میں جائیں تو زمانے لگ جائیں

خود بخود دل میں کوئی شکل ابھر آتی ہے
حسن وہ شے تو نہیں ہے جسے پرکھا جائے

سلیمؔ شاہجہان پوری سے میری چند گھنٹوں کی ملاقات رہی ہے ان سے گفتگو کرتے وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا ادب ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔ آپ کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ ادب تھا کیوں کہ آپ جو بھی گفتگو کر رہے تھے اس میں اردو ادب و شعر کا ذکر شامل تھا۔ اس سے مجھے اس وقت اندازہ ہو گیا کہ موصوف اردو ادب کی ترقی و ترویج کے لئے کوشاں ہیں اور یہی کیفیت ان کے اشعار میں بھی نظر آتی ہے۔

نہ بے خودی سے نہ کچھ کام ہے خودی سے مجھے
جو اپنے کام کا ہو کام ہے اسی سے مجھے

شجرِ شوق کا ہر پھول بڑا دلکش ہے
لطف اِسی میں ہے اُسے دور سے دیکھا جائے

سلیمؔ شاہجہان پوری کا مجموعہ کلام (افکار سلیم) ادبی حلقوں میں ایک گراں قدر سرمایہ ہے جسے ادب کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا آخر میں ہماری دعا ہے کہ ان کا یہ مجموعہ کلام ادب کے افق پر ماہ کامل بن کر ہمیشہ چمکتا رہے آخر میں ایک شعر جو مجھے نصیحت کے طور پر بہت پسند ہے ملاحظہ ہو۔

دیتے ہی سدا رہنا پیغام محبت کا
دنیا سے نہ تم ہرگز اُکتائے ہوئے رہنا

پیر عزیز احمد وارثی
روزنامہ "پاسبان"، حیدرآباد

۳۰ دسمبر ۱۹۸۶ء

انور ندیم علوی
ایڈووکیٹ نواب شاہ

وادی سندھ کا ایک مہکتا ہوا پھول

وادیٔ مہران کے عظیم صوفی شاعر عبداللطیف بھٹائی نے کہا ہے ؎

ماڻهو سڀ نه سهڻا پکي مڙئي نه هنج
ڪنهن ڪنهن ماڻهو منجهه اچي بولهه جي

یعنی آدمی سارے خوبصورت نہیں ہوتے اور نہ ہر پرندہ "ھما" کی طرح خوش بخت پھر بھی خال خال ایسے آدمی دنیا میں موجود ہوتے ہیں جن میں بہاروں کی خوشبو رچی بسی رہتی ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ استادی المحترم حضرت سلیم شاہجہانپوری انہی خال خال اور معدودے چند آدمیوں میں سے ایک ہیں جن کی شخصیت میں بہاروں کی خوشبو رچی رہتی ہے۔ آپ جہاں بھی بیٹھے، اپنے اردگرد کے ماحول کو اپنی شاعری، محبت، خلوص اور بھائی چارے کے آفاقی تصور سے معطر کر دیا۔

آپ نے شاہجہانپور سے لیکر نواب شاہ تک سیکڑوں اپنے شاگرد پیدا کیئے۔ جو آپ کے تبحر علمی اور شعر و ادب کی تمام اصناف پر آپکے مکمل عبور کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ شعر و ادب کی سترہ سے زائد کتب کے مؤلف و مصنف ہیں۔ نعت و حمد میں آپ کا ایک منفرد اور ممتاز مقام ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے شعروں میں الفاظ نہیں روح پگھل کر شامل ہو گئی ہے۔ میرے اس خصوصی اظہار کا مقصد یہ ہر گز نہیں کہ صنف غزل میں آپ کے کلام کی خصوصیات کو کم کیا جائے۔ آپ کی غزلیات قدیم و جدید کا خوبصورت مرقع ہیں آپ کے ہر شعر سے کہنہ مشق اساتذہ کے کلام کی جھلک نظر آتی ہے۔ منظر کشی اور واقعات نگاری میں بھی آپ کا کلام اپنی مثال آپ ہے۔

وادیٔ سندھ کے ریگزاروں کے درمیان آفتاب و ماہتاب کی چلچلاتی دھوپ میں آپ کا وجود ایک گھنے سایہ دار ٹھنڈے شجر سے کم نہیں۔ جہاں تشنگانِ علم و ادب، بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت، اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور آپ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ہر وقت خدمتِ خلق میں جوانوں کی سی ہمت کے ساتھ کمربستہ رہتے ہیں۔ آپ کا حافظہ بہت تیز اور نظر اپنے استاد حضرت حافظ مختار شاہجہانپوری کی طرح بہت گہری ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں جہاں ہوس زر نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری کر دیا ہے اور بڑے بڑے بنگلے اور کثیر المنازل عمارات کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے، مادہ پرست انسان اپنے خالق اور اسکی گرفت کو بھول چکا ہے۔
حضرت سلیم اس المیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

اُف ری غفلت برق کا آیا نہ ہم کو کچھ خیال
ہاں خیالِ آشیاں در آشیاں کرتے رہے

ان سب باتوں کے باوجود آپ دنیا سے مایوس نہیں۔ محبت کا پیغام جگہ جگہ پہنچانے کا عزم آپ کے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے۔ آپ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

دیتے ہی سدا رہنا پیغام محبت کا
دنیا سے نہ تم ہرگز اُکتائے ہوئے رہنا

حضرت سلیم کا وجود جدوجھد، مسلسل عمل، محبت اور کوشش کا حسین امتزاج ہے۔ عزم و عمل اور ہمت کے جذنے کو آپ اس طرح نظم کر کے دعوتِ عمل دیتے ہیں۔ ؎

ہمت ہو تو بحرِ عالم میں موجیں ساحل بن جاتی ہیں
جب ہمتِ دل ہی ساتھ نہ دے ساحل بھی کنارا کرتے ہیں

میری خوش قسمتی ہے کہ محترم سلیم شاہجہانپوری کے بارہ میں اظہار کی سعادت میرے حصہ میں بھی آئی۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ اس نافع الناس وجود کو تادیر صحت و سلامتی والی زندگی عطا کرے اور اُن کے جاری کردہ چشمۂ فیض سے تشنگانِ علم و ادب اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔

فہیم شناس کاظمی

رنگوں کا عکس

محترم سلیم صاحب شاہجہانپوری سندھ کے تپتے ہوئے ریگزار میں سخن کے پھول کھلانے والے اُن معدودے چند شعراء میں شمار ہوتے ہیں جو اپنے لہجے میں صداقت کی حرارت، محبت کی شیرینی، مشروب علم کے جامع فرحت قطرات تبحر علمی کے سمندر کا سکون، نسیمِ سحر کی سرگوشیاں منزل مقصد کی کڑی دھوپ حصول مقصد کی خنکی اظہار جذبات کے نئے اسلوب تخیلات کے لئے انداز سموئے ہوئے عہدِ جدید سے عصر حاضر تک وقت کے تقاضوں کو اپنائے ہم عصر شعراء کی آواز میں آواز ملائے حال کے سبزہ زاروں کی آبیاری کرتے نظر آتے ہیں۔ اور آج آپ نواب شاہ کے واحد استادِ فن ہیں، تشنگانِ علم کی ایک جماعت ہمہ وقت آپکو گھیرے نظر آتی ہے۔ طبعیت میں صداقت کا عنصر اتنا شدید ہے کہ بعض اوقات سننے والا حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس قحط الرجال کے زمانے میں اتنا سچا شخص؟ مگر یہ خواب نہیں حقیقت ہے جیسا کہ آپ کے ایک شعر سے عیاں ہے۔

حسنِ اخلاق سے عاری ہے زمانہ کیسا
آدمی زاد کی سیرت کبھی ایسی تو نہ تھی

اب میں کچھ اپنی ذات کے حوالے سے کہنا چاہتا ہوں آج سے تقریباً پندرہ سال قبل جب میں بچپن کی سنہری ریت میں دھنستا مستقبل کی سمت دیکھ رہا تھا احساس و شعور سے عاری ایسے زمانے میں والد صاحب اکثر اسکول کی ضرورت کی اشیاء سلیم صاحب کے ادارے سادات بک ڈپو سے دلاتے تھے وہ زمانہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سلیم صاحب سب بچوں کو اسطرح پیار کرتے تھے گویا یہ سب انہیں کے نور دیدہ ہیں اتنا زمانہ بیت جانے کے باوجود بھی وہی طبعیت ہے۔

دنیا بدل گئی اصول بدل گئے، ذہن بدل گئے، وقت بدل گئے، سوچ کے زاویئے بدل گئے مگر آپ اپنی جگہ ایک چٹان کی طرح استادہ ہیں۔ ہم دُعا کرتے ہیں آپ شجرِ سایہ دار کی صورت یونہی ہمارے سروں پر سایہ فگن رہیں۔

آغاز شعور ہوا تو سلیم صاحب سے ایک دوسرے رنگ میں تعارف ہوا آپ مشاعرے کی صدارت فرما رہے تھے اس مشاعرے میں جو غزل آپ نے پڑھی وہ عصر حاضر کی تمام رعنائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ے یہ میرے کمزور ارادے دل کو حفاظت کیسے کریں
گھر کی محافظ کیسے بنیں یہ ہلکی پھلکی دیواریں

ے نوعِ بشر کو گھیر لیا ہے کیسے کیسے مسائل نے
چاروں جانب استادہ ہیں دیواریں ہی دیواریں

دعوت فکر دینے والے اشعار سنے تو دل سے داد نکلی۔ ادبی خدمات کا یہ عالم ہے کہ بعض شعراء آپ سے اصلاح لینے آئے تو آپ نے اصلاح کی گنجائش نہ پاکر ازرہ خلوص پوری کی پوری غزل کہہ کر دے دی آپ کے مداحین میں جناب احمد ضیاء صاحب کا نام قابل ذکر ہے جو خود بھی ایک اچھے شاعر ہیں۔

آپ نے بزمِ ارباب قلم نواب شاہ جو کہ ۱۹۶۷ء میں قائم ہوئی تھی کی از سر نو تجدید کی اور آپ کے زیرِ سرپرستی ادبی محفلیں برپا ہونے لگیں آپ نے مخالفت کے طوفان میں بھی اپنی ادبی خدمات کو جاری رکھا اور اس معاملے میں دشمنوں اور دوستوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا بلکہ ہر ظرف ہر مبتدی اور ہر محنتی آپ سے استفادہ کا محتاج ہے آپ نے ایک شعر میں اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔

ے مجھ سے اصلاح تو لے جاتے ہیں سب خورد و کلاں
اس کا اقرار کریں ہیں وہ سخنور کتنے

سلیم صاحب جس دور کے شاعر اور نقاد ہیں وہ احساس کا دور ہے جو کہر و دھند کے دھول میں لپٹا ہوا ہے فکر و شعور کے دریچے اسی کہر میں وا ہوتے اور بند ہوتے ہیں آج کا ہر حساس شاعر بیم و رجا کے اس دوراہے پر حیران و سرگرداں نظر آتا ہے کبھی کبھی خوش توقعات کی کوئی کرن دل کے ریگزاروں کو جگمگاتی ہوئی گزر جاتی ہے لیکن پھر دوسرے ہی پل کوئی حوصلہ شکن منظر انسان کی جگمگاتی فضا پر تاریکی کا غلاف ڈال جاتا ہے حالات کے اس دھندلے پس منظر نے حیات کو بے رنگ و نور کر دیا ہے ہر صاحب شعور قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سلیم صاحب شعور کی ان تاریک و روشن راہوں پر مسلسل سفر کرتے رہے ہیں بے نوری و حیات پر کئی بار آبدیدہ ہوئے اور کئی بار مُسکرائے اور دل کے کرب کو حرفوں کے سانچوں میں ڈھالا جو تیر نشتر بن کر احساس کو کچوکے دینے میں اپنی مثال نہیں رکھتے بشریت کے تقاضے سے کئی بار نڈھال بھی ہوئے اور اپنے عزم و استقامت کے سہارے سینہ سپر بھی رہے احساس کے

اسی تجزیئے کو دو معرعوں میں اسطرح ادا کیا ہے۔

ہمت دلِ گاہ گاہ شورشِ دل بیش بیش
آپ تک پہنچے مگر پہنچے بڑی مشکل سے ہم

عرفانِ ذات اور خود آگہی کے سلسلے میں آپ نے معرکۂ آراء مطلع کیا ہے جس کو پڑھ کر دل میں وجد کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے آپ فرماتے ہیں۔

نگہ رسا غم دلکشاں دل معتبر کی تلاش ہے
میں ہوں آپ اپنی ہی آرزو مجھے اپنے گھر کی تلاش ہے

سلیم صاحب کی شاعری میں احساس کی گہرائی و گیرائی کا فنکارانہ عمل اور ردِ عمل اپنی پوری بہار سامانیوں کے ساتھ نمایاں ہے رجائیت کے ساتھ ساتھ سلیم صاحب کی شاعری کا یہ رخ گاہ گاہ حیات کی ایک نئی منزل کی نشاندہی کرتا ہے جس میں سکون و راحت بھی ہے اور درد کی کسک بھی۔ ذرا اس شعر کو ملاحظہ فرمایئے

کس درجہ دلخراش تھا لمحہ فراق کا
سکتہ سا ہو گیا تھا کہ تڑپا نہ میں نہ تو

دوسرا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمایئے

تمام عمر رہا تیرا انتظار اے دوست
یہ تیرے آنے میں کتنے زمانے لگتے ہیں

غرض آپ کا ہر شعر اپنا ترجماں آپ ہے جس کی تابداری گہرہائے آبدار کی تابانی پر چشمک زن ہے سلیم صاحب کی پوری شخصیت کو چند لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی شخصیت رنگوں کا ایک حسین امتزاج ہے جس کے رنگوں کی تابانی کبھی ماند نہیں پڑتی اور وہ رنگ ہیں خلوص، صداقت، اصول پرستی، شفقت اور جذبۂ خدمتِ خلق۔

شکستِ یاس

سرمایۂ اہلِ فن ہیں افکارِ سلیم — مُستغنی تعریف ہے معیارِ سلیم
اربابِ ادب، قدر کریں گے اس کی — راغب ہے "شکستِ یاس" شہکارِ سلیم

راغب مرادآبادی

ہدیۂ عقیدت

اے سلیم خوش مقال و نیک دل شیریں زباں — نکتہ سنج و نکتہ رس، نکتہ نواز و نکتہ داں
زندگی کا تیری مقصد خدمتِ انساں ہے — عظمتِ انساں پر پختہ تیرا ایماں ہے
دیکھنے میں سیدھا سادہ اک نحیف انساں ہے — تیرا دردِ دل مگر انسانیت کی جاں ہے
تیری نظروں میں برابر، کیا امیر اور کیا غریب — مرحبا تو نے بنائی ایک دنیائے عجیب
جہل و تاریکی کا دشمن، علم و دانش کا حبیب — در حقیقت تو ہے پیغامِ محبت کا نقیب
گلشنِ علم و عمل کا جانفشاں مالی ہے تو — اور درختِ شعر کی اک باثمر ڈالی ہے تو
قوتِ تخیّل سے تو نے تراشے مہر و ماہ — وہ ستارہ بن کے چمکا ڈال دی جس پر نگاہ
یہ ترے کردار کے عاشق یہ سودائی تیرے — صبح و شام آتے ہیں تیرے پاس شیدائی ترے
کیسئہ علم و عمل سے تو نے سیم و زر دیا — سرزمینِ شعر کو سرسبز تو نے کر دیا
معترف تیری سخن فہمی کے ہیں پیر و جوان — نغمہ سنجی کے تیری مداح سب خورد و کلان
واسطہ رکھا نہ تو نے بحث قیل و قال سے — خدمتِ شعر و ادب جاری ہے پچپن سال سے
تیری علمیّت پہ شاہد تیری تصنیفات ہیں — کتنی اہمیت کے حامل تیرے موضوعات ہیں
سوز پیدا کر دیا تو نے دلوں کے ساز میں — قوتِ پرواز پیدا کی ہر اک آواز میں

انور ندیم علوی ایڈووکیٹ نواب شاہ

ناصر ساگری ایم۔ اے
نواب شاہ

خوش باش خوش خصال محمد میاں سلیم
خود اپنی ہی مثال محمد میاں سلیم

وہ نظم ہو کہ نثر یا تنقید و تبصرہ
ہر فن میں باکمال محمد میاں سلیم

دوشیزۂ ادب کو دیا تیری فکر نے
کھلتا ہوا جمال محمد میاں سلیم

اشعار آپ کے ہیں مہکتے ہوئے گلاب
ماضی سے تا بحال محمد میاں سلیم

شاعر کہوں، ادیب کہوں، نکتہ داں کہوں
اُبھرا ہے یہ سوال محمد میاں سلیم

آفاقِ شاعری پہ ہے اِک خاورِ عظیم
تابندہ ماہ و سال محمد میاں سلیم

مختار و دل کے فیض نظر سے ملا تمھیں
یہ اوج یہ کمال محمد میاں سلیم

مختارِ باکمال کے شاگردِ ہونہار
اُستاد باکمال محمد میاں سلیم

لازم ہے طائرانہ نظر اپنے گرد بھی
پھیلا ہوا ہے جال محمد میاں سلیم

میں نے بھی بہت خیال کیا ہے جناب کا
میرا بھی یہ کچھ خیال محمد میاں سلیم

وہ شمع اب کہاں ہے فروزاں امیرؔ کی
جس شمع کی مثال محمد میاں سلیم

۱۴۰۷ھ

مصرع سے اِک الف کو گرایا تو بن گئی
تاریخِ جشنِ سال محمد میاں سلیم

۱۹۸۸ - ۱ = ۱۹۸۷

ناصر بڑھا کے ایک الف کو بنائیے
تاریخِ تا بحال محمد میاں سلیم

۱۹۸۶ +۱ = ۹۸۷

انجم نقوی

الفت کا آبشار جنابِ سلیم ہیں
باعز و باوقار جنابِ سلیم ہیں

تازہ ہے بزمِ شعر و سخن اُنکی ذات سے
اِس عہد کی بہار جنابِ سلیم ہیں

بزمِ ادب ہو یا کوئی محفل ہو شعر کی
صد وجہ افتخار جنابِ سلیم ہیں

وہ ہوں جنابِ دلؔ کہ جنابِ امیرؔ ہوں
اُن سب کی یادگار جنابِ سلیم ہیں

روشن ہیں مثلِ صبحِ درخشاں بہ وقت صبح
اکِ شامِ تابدار جنابِ سلیم ہیں

انسانیت کی روح تو علم و عمل کی جان
یکتائے روزگار جنابِ سلیم ہیں

شہرت کے آسماں پہ پہنچے ہوئے ہیں آج
انجم وہ نامدار جنابِ سلیم ہیں

بد فیض الحسن جعفری ہمدانی:

مایۂ ناز و افتخار سلیم
وطنِ پاک کی بہار سلیم
بزمِ ارباب آپکے دم سے
جنکی صحبت سے باغ باغ ہے دل
گلشن علم و باغ شعر و سخن
ہو غزل، نظم ہو کہ نعت شریف
خاتم المرسلینؐ پہ دل صدقے
بزمِ شعر و سخن کی دنیا میں
شوق سارا جہان مان گیا

نظم پیش خدمت: "ادیب الملک ممتاز الشعراء حضرت سلیم شاہجہانپوری

شعر کے فن میں کامگار سلیم
دورِ ماضی کی یادگار سلیم
ہے ضیاء بار و تابدار سلیم
موسمِ شعر کی بہار سلیم
تیرے دم سے ہے پُر بہار سلیم
ہیں یہ سب تیرے شاہکار سلیم
عاشق زار چار یار سلیم
ہے بلند آپکا وقار سلیم
ہیں محبت کے آبشار سلیم

نظم

محمد علی تبسم ۔ نواب شاہ

جب کبھی ہوتے ہیں اذکارِ سلیمؔ
یاد آ جاتے ہیں اشعارِ سلیمؔ

دیکھ لو پڑھ کر کبھی ان کی بیاض
تم پہ کھُل جائیں گے اسرارِ سلیمؔ

ہر قدم پر جس نے کی ہے رہبری
ہے ادب میں ایسا کردارِ سلیمؔ

نوجوانی میں کہے تھے جو کبھی
آج بھی تازہ ہیں اشعارِ سلیمؔ

جس کا اپنا گلشن ارباب ہے
فخر سے اونچی ہے دستارِ سلیمؔ

گلشنِ اشعار میں چاروں طرف
آج بھی پھیلی ہے مہکارِ سلیمؔ

ہے تبسمؔ روز و شب میری دعا
ہو ثمر بستہ یہ گلزارِ سلیمؔ

منظوم خراجِ عقیدت پیشِ خدمت حضرت سلیم شاہجہانپوری

ہو گئی ہے جب آپ سے نسبت سلیمؔ
مل گئی ہے علم کی دولت سلیمؔ

گلشنِ شعر و سخن میں آج بھی
کس قدر ہے اوج پر عظمت سلیمؔ

رب نے کی تجھ کو یہ نعمت عطا
شاعروں میں ہے تری عزّت سلیمؔ

تم سے ہے بزم ادب کی روشنی
تم نے بخشی ہے اسے عزت سلیمؔ

فیض و صحبت سے تمہاری باخدا
جاگ اُٹھی ہمدم کی بھی قسمت سلیمؔ

پردہ ہر ایک رمز سے ہر راز سے اُٹھا
ایک شور و غلغلہ مری پرواز سے اُٹھا

صدیوں سے محوِ خواب تھا انسان کا ضمیر
یہ شورِ خفتگاں مری آواز سے اُٹھا

چھایا ہوا تھا فکر کی دُنیا پہ اک غبار
یہ جب کبھی اُٹھا کسی اعجاز سے اُٹھا

جب نغمۂ "الست" سے گونجی فضائے دہر
"قالو بلیٰ" کا شور ہر اِک ساز سے اُٹھا

کس درجہ دلپذیر تھا اُن کا خرامِ ناز
پھر اُن کے بعد جو بھی اُٹھا ناز سے اُٹھا

ہر ہر قدم پہ جھوم اٹھے کائناتِ دل
تو اپنے ہر قدم کو اِس انداز سے اُٹھا

ظلم و ستم کی آندھیاں ہر سمت چل پڑیں
گرد و غبار میری تگ و تاز سے اُٹھا

قدرت کے شاہکار کی تحقیر کس نے کی
ہے مسئلہ اہم اسے آغاز سے اُٹھا

اُس یار کو ادائے قناعت پسند ہے
بہتر ہے تو بھی ہاتھ ہر اِک آز سے اُٹھا

بیشک قبولِ حق بھی ہے انعامِ حق سلیمؔ
اِس بار کو تفاخر و اعزاز سے اٹھا

سلیمؔ شاہجہانپوری

غزل

سلیم شاہجہاں پوری

عیاں ہوں ذات سے جب ماورائے ذات کے رنگ
مثالِ برق چمکنے لگیں حیات کے رنگ

سجے نظر میں جو اُس جانِ کائنات کے رنگ
تو ماند پڑ گئے سب گلشنِ حیات کے رنگ

عجیب رنگ ہیں دُنیائے بے ثبات کے رنگ
توہمات کے سائے تصوّرات کے رنگ

فنا پذیر ہیں ہر لحظہ کائنات کے رنگ
فقط فریبِ نظر ہیں تعیّنات کے رنگ

یہ سبزہ زار، یہ گلشن، یہ آبرو بادِ بہار
ہیں تیری ذات کے مظہر تری صفات کے رنگ

غبارِ دل جو ندامت کے اشک برسائے
مری نظر میں جھلکنے لگیں نجات کے رنگ

مجھے تو خوف ہے بس شانِ بے نیازی کا
بدل نہ جائیں کہیں اُن کے التفات کے رنگ

ہزار حیف کہ اخلاص کا چلن نہ رہا
نظر نظر میں جمے ہیں تکلّفات کے رنگ

تمام عالمِ انسانیت ہے خون آلود
لہو کے رنگ میں ڈوبے ہیں شش جہات کے رنگ

ہماری عیش پرستی کا حشر کیا ہوگا
نظر نواز ہیں ہر سو تعیّشات کے رنگ

عیاں ہو کس طرح وحدانیت کا رنگ سلیم
نہاں ہوں قلب میں جب ماورائے ذات کے رنگ

انسان

صبح دم مطلع عالم سے نکلتا انسان
مہر انور کی طرح شان سے چلتا انسان

لڑکھڑاتا ہوا گر گر کے سنبھلتا انسان
کبھی جادہ کبھی منزل کو بدلتا انسان

عمر بھر شمع کی مانند پگھلتا انسان
نارِ ظلم و ستم و جور میں جلتا انسان

کبھی مسجود ملائک، کبھی مردودِ ازل
خیر اور شر کے نہاں خانوں میں پلتا انسان

تارکِ لذت دنیا کبھی باعزم صمیم
کبھی آغوشِ تمنا میں مچلتا انسان

کبھی دہشت کا مرقع کبھی تصویر اجل
کبھی موہوم سی آہٹ سے دہلتا انسان

کبھی یہ سرد ہے یخ بستہ چٹانوں کی طرح
کبھی لاوے کی طرح آگ اگلتا انسان

کبھی راضی نہیں کونین کی دولت پا کر
کبھی مٹی کے کھلونوں سے بہلتا انسان

کبر و ناشکریِ نعمت کی مجسم تصویر
گلِ خوش رنگ کو پیروں سے کچلتا انسان

کہیں ڈاکہ، کہیں اغواء، کہیں قتلِ معصوم
کیسا پامال ہوا پھولتا پھلتا انسان

اِس کی تصویر کشی کس طرح ممکن ہو سلیمؔ
لمحے لمحے میں نئے روپ بدلتا انسان

○

ناقابلِ معافی جرم

غل ہے نہ تم سلیمؔ کو اذنِ سوال دو ✿ طوقِ مذلت اس کے گلے میں بھی ڈال دو
انسانیت کا درس یہ دیتا ہے روز و شب ✿ گستاخ کو حدودِ وطن سے نکال دو

انحطاط پذیر معاشرہ

ملک میں طرزِ سیاست کبھی ایسی تو نہ تھی
اہلِ دانش میں رقابت کبھی ایسی تو نہ تھی

اپنے سائے سے بھی وحشت کبھی ایسی تو نہ تھی
نوعِ انساں میں ؞الت کبھی ایسی تو نہ تھی

اہل دنیا کا یہ کیا حال ہوا ہے یارب
خود سے بیزاری ونفرت کبھی ایسی تو نہ تھی

حسنِ اخلاق سے عاری ہے زمانہ کیسا
آدمی زاد کی سیرت کبھی ایسی تو نہ تھی

عیش کوشی کا تصور کبھی ایسا تو نہ تھا
نفسِ سرکش کی اطاعت کبھی ایسی تو نہ تھی

مال و دولت کو سمجھتے نہ تھے اپنا مقصود
طلبِ جاہ و امارت کبھی ایسی تو نہ تھی

عدل و انصاف کہیں پیٹ نہ لے سر اپنا
بے گناہوں پہ قیامت کبھی ایسی تو نہ تھی

ننگ اسلاف ہیں یہ کبر وانا کے پیکر
کرم خاکی میں رعونت کبھی ایسی تو نہ تھی

راستی کے لئے باقی نہ رہی جائے پناہ
کذب و بہتان میں طاقت کبھی ایسی تو نہ تھی

تھا مخالف کو بھی کچھ شرم و حیا کا احساس
دشمنوں میں بھی شرارت کبھی ایسی تو نہ تھی

برسرِ عام شرافت کا اُڑاتے ہیں مذاق
جاہلوں میں بھی رذالت کبھی ایسی تو نہ تھی

طفل معصوم پہ بھی ظلم روا رکھتے ہیں
دلِ انساں میں شقاوت کبھی ایسی تو نہ تھی

اہل حکمت نے بھی سیکھا ہے نرالا انداز
عقلمندوں میں حماقت کبھی ایسی تو نہ تھی

قتل کرتے نہ تھے بے وجہ کسی انساں کو
خون وحشت میں حرارت کبھی ایسی تو نہ تھی

آفت جاں بنے انصاف کے دو بول سلیم
مجھ سے دنیا کو عداوت کبھی ایسی تو نہ تھی

○

میں شکوۂ ارباب جفا کرتا ہوں ؎ پابندیِ آئینِ وفا کرتا ہوں
ہو ظلم تو خاموش نہیں رہ سکتا ؎ انسان ہوں فرض اپنا ادا کرتا ہوں

بانی و مدیر

صابر براری

ایڈیٹر

جے ون ـــ ۵۶ ، کورنگی ، کراچی ۳۱ فون ۳/۶۱۱۱۴

تاریخ ۵ جنوری ۹۶ء

مخدوم المکرم حضرت سلیم صاحب دام ظلکم

السلام علیکم مع الاکرام

آپ کی تخلیق "شہرِ دعا" بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ شکریہ اور مبارکباد کے طور پر چند قطعات ارسال کر رہا ہوں قبول فرمائیں۔ آپ کی نعتوں کے مصرعوں کے وزن پر ہی تحریر کئے ہیں۔ و اطلاع یابی سے مطلع فرمائیں۔

مخلص

صابر براری
5/1/96

حق نما تاریخ

۱۹۹۶ء

"تصنیفِ پاک دل سلیم شاہجہانپوری"

۱۴۱۶ھ

۱ ـــ ہیں سلیم شاہجہانپوری جو مداحِ نبی ۔ پیشِ نظر ہے انہی کے عشق کی تصویر کا
اسکی تاریخِ طباعت کہئے اے صابر یہی ۔ "ہو بہ نایاب ہے شہرِ دعا تصویر کا"
۱۴۱۶ھ

۲ ـــ تصنیف دیکھی آپ کی یہ حضرت سلیم ۔ آئی صدائے دل کہ میں تاریخ بھی لکھوں
صابر ملا یہ مصرعِ تاریخ دفعتاً ۔ "شہرِ دعا و قابلِ عشقِ نبی لکھوں"

۳ ـــ خوب لکھی ہیں نعتیں سلیم آپ نے ۔ یہ ہے عیاں آپ کے قلب کی روشنی
اسکی تاریخ صابر یہ کہدو سب سے ۔ "بس ہے شہرِ دعا واقعی روشنی"
۱۴۱۶ھ

صابر براری
5/1/96


اک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنادیا
ھُوالنّاصِر
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
معیاری سونے کے اعلیٰ زیورات کا مرکز
الکریم
جُوئیلرز
میاں عبدالکریم غیور
فون نمبر: 6325511
6330334
بازار فیصل، کریم آباد چورنگی
کراچی



Adarts-HRA-11/96 (R)